جلد ۵۲ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۳ء عدد ۳

مضامین

اطلاع

اس مہینہ میں آخری آٹھ صفحے وہ ہیں جو گذشتہ مہینہ میں نکال لئے گئے تھے، اس پرچہ سے گذشتہ نمبر ہی کے ہیں، اس لئے اس مہینہ میں وہ بے ترتیب ہوگئے ہیں، لیکن صفحات کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں ہے، ناظرین صفحہ ۱۵۳ سے ۱۶۰ تک کے بجائے ۲۳۳ تا ۲۴۰ تصور کریں، گذشتہ مہینہ میں صفحہ ۹۲ سطر ۱ میں "من الظالمین" کے بجائے "من الضالین" اور اس کا ترجمہ ظالموں میں سے کے بجائے گمراہوں میں سے چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کریں،

شذرات

۱۱ر جولائی کی دوپہر کو تھانہ بھون کے اسٹیشن پر حسنِ اتفاق سے حضرت مولٰنا الیاس صاحب کاندھلوی سے ملاقات ہوئی، جنھوں نے بستی نظام الدین دہلی میں تبلیغِ دین کی دعوت کا کام پندرہ سولہ برس سے شروع کر رکھا ہے، اور جن کے فیضِ اثر سے میوات کے علاقہ میں جہاں تین چالیس لاکھ نومسلموں کی آبادی ہے انقلابِ عظیم پیدا ہو گیا ہے، حضرت ممدوح کے نام اور کام سے تو پہلے سے آشنا تھا، ہمارے مدرسۂ دار العلوم ندوۃ العلماء کے بعض مدرسین اور طلبہ اکثر اُن کی خدمت میں حاضر، اُن کی صحبت سے مستفید اور اُن کے تبلیغی کاموں میں شریک ہوتے رہے ہیں، لیکن خاکسار ابھی تک ذاتی طور سے اُن کی ملاقات سے محروم اور اُن کے کاموں کی حقیقت اور نوعیت سے لاعلم تھا، تھوڑی دیر اسٹیشن پر اور پھر تھانہ بھون سے کاندھلہ تک ریل پر غرض گھنٹہ دو گھنٹہ اُن کا ساتھ رہا، اور اُن کی دعوت کے مقصد اور طریق کو سمجھتا رہا، بحمد اللہ کہ انھوں نے اتنی دیر میں جو کچھ فرمایا وہ دل میں ایسا پوری طرح اُتر گیا کہ موصوف کے ارشاد پر اُن کے ایک جلسہ میں جو دہلی میں حبش خاں کے پھاٹک میں ۱۲ر جولائی کی شب کو ہوا، خاکسار نے اس دعوت کے مقاصد و طریق پر تقریر کی،

اذا اراد اللہ شیئا ھیأ اسبابہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کا سامان بھی پیدا کر دیتے ہیں، ندوہ کے بعض حضرات مدرسین اور ان میں سے خصوصاً برادرِ عزیز و محبوب مولنا ابو الحسن علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ و رفع شانہ (حضرت مولنا سید عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کے چھوٹے صاحبزادہ) جن سے ہماری بڑی بڑی توقعات قائم ہیں، مولانا کاندھلوی کے اوصافِ جمیل اور ان کی دعوت کے مقاصد و مہمات کے گرویدہ تھے، اور مجھ سے بار بار اُن کا تذکرہ کرتے رہتے تھے، وہ

ان کو لکھنؤ لانے کے باب میں مجھ سے مشورہ بھی چاہا کرتے تھے، لیکن چونکہ ابھی اس کا مقررہ وقت نہیں آیا تھا، اس لیے یہ کام مشورہ سے آگے نہیں بڑھا، لیکن عین اس وقت جب ان سے تھانہ بھون اور دہلی میں میری ملاقات ہوئی، اُن کے لکھنؤ کے سفر کا پروگرام بھی تیار ہو گیا، اور مولنا ابو الحسن علی اور ان کے رفقاء کی دعوت پر مولنا نے مع ساٹھ رفقاء اور مبلغین کے لکھنؤ آنے کا عزم کر لیا، چنانچہ جولائی کے تیسرے ہفتہ سے چوتھے ہفتہ تک یہ حضرات لکھنؤ آتے رہے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی خوش قسمتی ہے کہ اس میں سب نے ایک عشرہ کے قریب قیام کیا، مبلغین کا بڑا حصہ مدرسہ کی مسجد میں مقیم رہا، اور یہ کہیے کہ گویا ایک ہفتہ عشرہ دار العلوم نے وہ روحانی منظر دیکھا جو اس کے سیکڑوں تزک و احتشام کے زرق برق تماشوں سے بالکل الگ تھا، یہ فقراء کا مجمع تھا اور صلحاء اور اتقیاء کی جماعت تھی جس کے سامنے رضائے الٰہی کے حصول کے سوا دنیا کا کوئی مقصد نہ تھا، جو تھا وہ اسی راہ سے تھا اور جو چاہا جاتا تھا وہ اسی نسبت سے۔

ان بزرگوں کو دیکھا جنکے سینوں میں ہندوستان میں اسلام کے احیاء اور مسلمانوں کی اصلاح کی دھن تھی، اُن کی نمازوں میں، ان کی دعاؤں میں، ان کے تہجدوں میں، ان کی شب بیداریوں میں، ان کے ذکر و شغل میں، رضائے الٰہی کی طلب کا نور جھلکتا تھا، ان کی کوششوں کا محور خدا کی خوشنودی کی خاطر مسلمانوں میں دینِ توحید کی صحیح تعلیم و تلقین، کلمۂ مبارکہ کی تصحیح، نمازِ پنجگانہ کی تبلیغ اور داعیوں اور مبلغوں کی جماعت بنا بنا کر اطراف و دیار میں مجاہدانہ سرفروشی کیساتھ مہاجرت کا صحیح جذبہ تھا، میں نے اس دعوت کو جہاں تک سمجھا ہے اس کی تعبیر یوں کی کہ نام کے مسلمانوں میں اسلامِ حقیقی کی از سرِ نو تبلیغ ان ہی اصولوں پر جن اصولوں پر کہ جنابِ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، ایک اور مقرر نے اس کو چلتے پھرتے مدرسہ اور چلتی پھرتی خانقاہ سے تعبیر کیا،

اس جماعت کے ساتھ حضرت مولنا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور، مولنا عبد الحق صاحب مدنی صدر المدرسین مدرسۂ فتحپوری دہلی، اور دوسرے اکابر دین اور دلی کے بعض نامور تاجر بھی تھے، اور ایک ہفتہ کے قریب دار العلوم ندوہ کی مختلف عمارتوں میں فروکش رہے، لکھنؤ کے مختلف محلوں میں اس کے جلسے ہوتے رہے، اور اس کے تبلیغی وفود عملی کام کرتے رہے، یہاں سے چند روز کے لئے اہل کانپور کی دعوت پر کانپور کو یہ قافلہ منتقل ہوا، اور وہاں بھی محلہ بہ محلہ اس دعوت کو پھیلایا گیا، اس سلسلہ میں خاکسار کو لکھنؤ اور کانپور میں متعدد دفعہ اس دعوت کے مقصد اور طریق پر تقریروں کا اتفاق ہوا، اور دوسرے لوگ بھی تقریریں فرماتے رہے، جنمیں سے مولانا ابو الحسن علی صاحب اور مولنا محمد منظور صاحب نعمانی کے نام ذکر کے قابل ہیں؛

مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے متعلق ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب (ترقی اردو) کا ایک خطبۂ صدارت جو اسی سال علی گڈہ ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں پڑھا گیا تھا، رسالۂ اردو میں چھپا ہے، موصوف کو اردو سے جو عشق ہے اس کا افسانہ ملک کے کوچہ کوچہ میں مشہور ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اپنے کمال عشق کی بنا پر اون سے دوسروں کی محبت اردو کا اقرار نہیں بن آتا، یونیورسٹی ایک تعلیمی ادارہ ہے، اس پر جو گرفت کی جاسکتی ہے وہ اسی حیثیت سے کی جاسکتی ہے، خاکسار کو امتحانات کے سلسلہ میں متعدد یونیورسٹیوں کے طالب علموں کو جانچنے اور ان کے کاموں کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے، مجھے اس کے اظہار میں پس وپیش نہیں کہ یہاں کا شعبۂ اردو اپنی معاصر یونیورسٹیوں کے شعبوں سے علانیہ اونچا ہے، نصاب، طرز تعلیم، طریق تحقیق اور اساتذہ کی دلچسپی ہر چیز مستحق تعریف ہے، ایم اے کے طلبہ جو اپنے آخری امتحان کے لئے مقالے تیار کرتے ہیں دو تین سال سے میں ان کو دیکھ رہا ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر سال ان کے متعدد مقالے سنجیدہ تصانیف کی حیثیت رکھتے ہیں، ہاں یہ صحیح کہ شبلی وحالی نہیں پیدا ہوتے، لیکن شبلی اور حالی کیا عبد الحق پیدا کرنا بھی یونیورسٹی کا نہیں، قدرت کا کام ہے، اور وہ کسی کے بس میں نہیں،

مقالات

تاریخ افکار وسیاسیات اسلامی

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۲)

حکومتِ الٰہیہ کی مذکورۂ بالا بحث کے بعد مصنف نے اسلام مین ملوکیت کی تاریخ، اور اس سے پیدا شدہ مموم نتائج پر نگاہ ڈالی ہے، یہ بحث تاریخِ اسلام کے متعلق مصنف کی وسعت معلومات کا آئینہ ہے، اگرچہ اس سے ان کا مقصد نیک اور ان کے بیانات ایک حد تک صحیح ہین، لیکن ملوکیت کی مخالفت مین غلو یا اپنی صحتِ معلومات کی بنا پر انھون نے تمام اسلامی حکمرانون کو ظلم وجور، فسق وفجور اور عیش پرستی کا مجسمہ بنا دیا ہے، اور جن باتون کو ملوکیت سے دور کا بھی واسطہ نہین انھین بھی ملوکیت کا نتیجہ قرار دیا ہے، یہ تسلیم ہے کہ ملوکیت اسلام کی روح کے خلاف ہے، اس نے اس کو مٹایا، ملوکیت کی بدعت نے مسلمانون مین بہت سی خرابیان پیدا کر دین، اور اس کے اثر سے خلفاء اور فرمانرواؤن مین شخصی بادشاہون کی بہت سی برائیان آگئین، لیکن بہتیرے مسلمان خلفاء اور سلاطین ذاتی محاسن سے خالی نہ تھے، اور انھون نے اپنی کمزوریون کے باوجود اسلام اور مسلمانون کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دین، مصنف نے محض ملوکیت کے جرم مین ان کی اچھی خدمات پر بھی پانی پھیر دیا ہے، اور ان کو بدنام اور مطعون کرنے کے لئے غلط وصحیح اور رطب ویابس جو معلومات بھی مل سکے ہین بغیر تحقیق کے ان غریبون

کے سر منڈھ دیا، اور جن جرائم کا مجرم وہ ان خلفاء کو بنانا چاہتے ہیں، خود بھی اس کے مجرم بن گئے، جس طرح مصنف کے بقول اسلام تنہا روزے اور نماز اور دوسرے ظاہری اعمال کا نام نہیں ہے، اسی طرح اسلام محض ان کی مفروضہ حکومتِ الٰہیہ کے تخیل میں بھی محدود نہیں ہے، اس لئے تنہا ملوکیت کے جرم میں ان کی اچھی خدمات اور صالح اعمال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، فاضل مؤلف نے ملوکیت کے نتائجِ بد کے ثبوت میں جتنے واقعات پیش کئے ہیں، ان میں سے بیشتر یا غلط ہیں، یا مصنف کی غلط فہمی اور کوتاہیٔ نظر کا نتیجہ ہیں، مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"ملوکیت کے ساتھ اسلام میں وہ تمام خرابیاں داخل ہوگئیں، جو اس سے وابستہ تھیں، ملوکیت کا نظام چونکہ عجمی تخیل پر مبنی تھا، اس لئے عجمی خیالات نے اسلام کے سیدھے سادے اصولوں کو گھیر لیا، غلط احادیث اپنے مطالب و اغراض کو پورا کرنے کے لئے وضع کی گئیں، تفاسیر قرآنی کو عجمی اسرائیلیات سے پُر کردیا گیا، فقہ اسلامی کو باہمی نزاع و جنگ و جدل کا باعث بنا ڈالا، رفتہ رفتہ احسان و تصوف کو رہبانیت اور خانقاہیت میں تبدیل کردیا۔"

جیسا کہ میں نے ابھی اوپر لکھا ہے کہ اس سے انکار نہیں کہ ملوکیت کے اثر سے مسلمانوں میں بہت سی خرابیاں آگئیں، لیکن مصنف نے جن خرابیوں کا ذکر کیا ہے، ان کو ملوکیت سے کوئی تعلق نہیں، عجمی خیالات و عقائد ملوکیت کا نہیں، بلکہ دو قوموں کے مساویانہ اختلاط کا قدرتی نتیجہ ہیں، جب دو قوموں، دو تہذیبوں اور دو کلچروں کا باہم امتزاج ہوگا، تو ان کا ایک دوسرے سے متاثر ہونا بالکل طبعی ہے، اور یہی چیز تھی جو حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی نگاہوں کے سامنے تھی، اور اس سے بچانے کی کوشش وہ کرتے رہے، اگر عجمی خیالات ملوکیت کا نتیجہ ہوتے، تو اس سے ملوکیت کے بانی اول بنی امیہ بھی متاثر ہوتے، حالانکہ وہ اپنی ہر طرح کی بدعتوں کے باوجود عقائد و خیالات میں خالص عرب رہے، اور اپنی عربیت کو انھوں نے بڑی سختی سے محفوظ رکھا، اور ان کے عقیدہ میں کوئی غیر اسلامی تخیل داخل نہیں ہونے پایا، چنانچہ بنی امیہ کے پورے دور میں عقائد میں کسی بیرونی تخیل کا وجود نہیں ملتا، اور نہ کوئی نیا عقیدہ اور فرقہ پیدا ہوا، عجمی اثرات بنی عباس کے

زمانہ سے مسلمانوں میں داخل ہوئے، جب ملوکیت کے قیام پر ایک صدی گذر چکی تھی، اور یہ بھی ملوکیت کی راہ سے نہیں، بلکہ عباسیوں کی عجم نوازی کی راہ سے آئے،

وضعِ حدیث کو ملوکیت کا نتیجہ قرار دینا تو اور بھی غلط ہے، اس کے مختلف اسباب تھے، جنھیں ملوکیت سے کوئی واسطہ نہیں، زیادہ سے زیادہ بنی عباس کی فضائل کی حدیثوں کو اس زمرہ میں لایا جاسکتا ہے، لیکن وہ ہیں کتنی، اسی طریقہ سے تفسیروں کو "عجمی اسرائیلیات" سے پُر کرنے کو ملوکیت کا اثر بتانا اور بھی مضحکہ انگیز ہے، "عجمی اسرائیلیات" کی اصطلاح بالکل نئی ہے، مصنف کو یہ بھی معلوم نہیں، کہ یہ دونوں چیزیں بالکل الگ الگ ہیں، ان میں سے ایک کو دوسری سے کوئی تعلق نہیں، اسرائیلیات سے مراد بنی اسرائیل کے نیم مذہبی قصص و حکایات ہیں، اور عجم سے مراد وسط ایشیا کا علاقہ اور عجمی سے مراد وہاں کی اقوام ہیں، ان دونوں کا کیا جوڑ، تفسیروں میں اسرائیلیات یعنی بنی اسرائیل کے قصص و حکایات تو ہیں، لیکن عجمی روایات کسی تفسیر میں نہیں مل سکتیں، پھر تفسیروں میں اسرائیلیات کی آمیزش کو ملوکیت سے کیا تعلق، درحقیقت مصنف کو اسرائیلیات کی اصطلاح ہی سے واقفیت نہیں، ورنہ وہ ایسی بے سر و پا بات نہ لکھتے، اسرائیلیات میں کوئی بات ایسی نہیں، جس سے ملوکیت کو فائدہ پہونچ سکتا، درحقیقت اسرائیلیات کی آمیزش نومسلم یہودیوں اور عیسائیوں کی افسانہ گوئی کا نتیجہ ہے، جن میں سے بعض صحابی اور تابعی بھی تھے، مثلاً عبداللہ بن سلامؓ، کعب بن احبارؒ اور وہب بن منبہؒ وغیرہ، یہ لوگ اپنے مذہبی قصے بیان کیا کرتے تھے، اور چونکہ کلام اللہ میں یہود و نصاریٰ کے حالات آئے ہیں اور ان میں اور مسلمانوں میں بعض مشترک امور ہیں، اس لئے غیر محتاط مفسرین نے ان کے بیان کردہ واقعات کو ان واقعات کی تفسیر کے تحت میں نقل کر دیا، جنھیں محتاط اور ناقد مفسرین نے بے اعتبار قرار دیا، اسی طریقہ سے ملوکیت کو فقہی جنگ و جدال کا ذمہ دار ٹھہرانا بھی غلط ہے، فقہی جنگ و جدال تو اس دور میں شروع ہوا، جب قیامِ ملوکیت پر ایک صدی سے زیادہ گذر چکی تھی، پھر اس سے ملوکیت کو کیا فائدہ پہونچ سکتا تھا، اگر مصنف نے ایک واقعہ بھی اس کے ثبوت میں پیش کر دیا ہوتا، تو بھی ان کا یہ دعوی قابلِ قبول ہو سکتا تھا،

محض ان کے کہہ دینے سے تو صحیح نہین مانا جاسکتا، رہبانیت بھی ملوکیت کے قیام کے کئی صدی بعد شروع ہوئی، بنی عباس کے ابتدائی دور تک وہ رہبانیت کی ایک مثال بھی نہین پیش کرسکتے، اور یہ بھی ان قومون کے اثر کا نتیجہ تھی جن کے یہان پہلے سے رہبانیت تھی، ملوکیت سے اس کو کوئی تعلق نہین، مصنف کو یہ بھی غور کرنا چاہئے تھا کہ ملوکیت یا ملوک نے وہی بدعتین جاری کین، جن سے ان کی بادشاہت کو کوئی تقویت یا فائدہ پہونچ سکتا تھا، عظمت و شان مین اضافہ ہوتا، فقہی جنگ و جدال یا رہبانیت ان کے کس کام آسکتی تھی، اور اگر مصنف تصوف یا اس عہد کے صوفیاے برحق کو اس زمرہ مین شامل کرتے ہیں تو اور بھی زیادہ ستم ہے، اس لئے کہ ملوکیت کے مقابلہ مین تو ان بزرگون کی حق گو زبان ہمیشہ شمشیر بے نیام رہی، اور بعضون نے تو اس کی مخالفت تک کی، اس کی تفصیل آیندہ تصوف اور صوفیہ کی بحث میں آئے گی، اس کے بعد مصنف نے "الائمۃ من قریش" کی حدیث کو اسرائیلیات مین شمار کیا ہے، اور اس کو ملوکیت کا نتیجہ قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین:-

"یہود و نصاریٰ اور منافقین کے گروہون کا فوج در فوج اسلام مین داخل ہونا، بڑی مصیبتون کا پیش خیمہ ثابت ہوا، ان لوگون نے سب سے بڑا ظلم یہ کیا، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث و روایات مین باطل و موضوع اسرائیلیات و حکایات کو شامل کردیا، لاکھون داستانین جن کا وہم و گمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا، آپ کی طرف منسوب کردی گئین، اس قسم کی غلط روایات کے ذریعہ خلافتِ اسلامیہ کو رسول اللہ کے بعد خاندان قریش اور آل عباس مین محدود کرنے کی کوشش کی گئی"

اس بیان مین بھی مصنف نے اسرائیلیات کو بے محل استعمال کرنے کی غلطی کی، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، اسرائیلیات کا تعلق صرف بنی اسرائیل کے قصص و حکایات سے ہے، "الائمۃ من قریش" کی حدیث اسرائیلیات کے تحت مین کہان سے آتی ہے، درحقیقت آج کل کے ناقدین حدیث نے اسرائیلیات کی ایک اصطلاح سن لی ہے،

جسکو وہ موقع بے موقع حدیثون کی بے اعتباری کے ثبوت مین پیش کرتے رہتے ہین، اس حدیث کو وہ موضوع کہہ سکتے ہین، لیکن اسرائیلیات مین توکسی طرح اس کا شمار ہو ہی نہین سکتا، دراصل خلافت کے لئے قرشیت کی شرط کوئی مذہبی شرط نہین ہے، "الائمۃ من قریش" نہ قول رسول ہے نہ حکم رسول، البتہ بعض روایات کی بنا پر زیادہ تر اس کو پیشین گوئی کا درجہ دیا جاسکتا ہے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عربون کی حالت کا خیال کر کے جو صورت مناسب تھی وہ پیش فرمائی تھی، اور سب نے اس سے اتفاق کیا، اور آخر تک عربون نے اپنی حکومت مین اس کا خیال رکھا، لیکن عجمیون نے اپنی حکومتون میں اسکی ضرورت کبھی نہین سمجھی، اور نہ حکم اسلام کے رو سے وہ اس پر مجبور تھے، کہ اپنی حکومت کے لئے کسی قریشی کو کہین باہر سے ڈھونڈھکر لاتے اور اس کو اپنا رئیس بناتے،

مزید تفصیل یہ ہے کہ عربونکی آزادی پسندی اور قبائلی عصبیت اس درجہ پر تھی، کہ کوئی قبیلہ اپنے اوپر دوسرے قبیلہ کی حکومت برداشت نہین کرسکتا تھا، صرف قریش کا خاندان ایسا تھا جس کو خانہ کعبہ کی تولیت کی بنا پر عرب مین مذہبی سیادت حاصل تھی، اسلئے اگر وہ کسی کی حکومت گوارا کرسکتے تھے تو صرف اسی خاندان کی، اسی لئے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب انصار نے دعویٰ کیا، کہ مہاجرین کی طرح ان کا بھی ایک امیر ہونا چاہئے، تو حضرت ابوبکر رضؓ نے ان کے فضائل اور اسلام مین ان کی خدمات کے اعتراف کے ساتھ یہ عذر کیا، کہ لن یعرف ھذا الامر الا لھذا الحی من قریش (بخاری کتاب المحاربین) یعنی عرب قریش کے علاوہ اور کسی کی خلافت ہرگز گوارا نہیں کرینگے، حضرت عمرؓ نے فرمایا لا ترضی العرب ان یومروکم (طبری جلد ۳ ص ۱۸۴۰) یعنی عرب تم کو حاکم بنانا پسند نہ کرین گے، یہ استدلال ایسا صحیح تھا کہ انصار نے بھی اسے تسلیم کرلیا، اور اپنے دعویٰ سے دست بردار ہوگئے، اگر اس مصلحت کے علاوہ قرشیت کی شرط مذہبی ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ اس کو ضرور انصار کے خلاف پیش کرتے، جس کے بعد انصار کے لئے گفتگو کی کوئی گنجایش باقی نہ رہ جاتی، یہ حضرت ابوبکرؓ کی سیاسی بصیرت تھی، کہ اپنے اس تدبیر سے عربون

کے اختلاف کو روک دیا، ورنہ انصار کیساتھ دوسرے قبائل بھی اسلام مین جن کی خدمات تھین، خلافت کے مدعی بن جاتے، ایک حدیث یہ بھی ہے کہ "اگر تمھارے اوپر کوئی نک چپٹا حبشی بھی امیر بنایا جائے، تو اس کی اطاعت کرو" ظاہر ہے کہ اگر قرشیت کی شرط مذہبی ہوتی، تو آنحضرت صلعم کبھی کسی غیر قرشی امیر کی اطاعت کا حکم نہ دیتے،

آخر ترکون نے جب اپنے کو اہل ثابت کرکے خلافت کا دعوی کیا، تو ساری دنیاے اسلام نے اس کو تسلیم کیا، یہ بھی عجیب لطیفہ ہے، کہ ایک طرف تو مصنف خلافت کے لئے قرشیت کی شرط کے منکر ہین، دوسری طرف وہ "الائمۃ من قریش" کی حدیث کو اسرائیلیات مین شمار کرتے ہین گویا یہودی ایسے احمق تھے، کہ اسلام نے ان کو خلافتِ عظمیٰ کے منصب کا جو استحقاق عطا کیا تھا، اسے وہ خود قرشیت کی حدیث گڑھ کر اپنے ہاتھون سے کھو دیتے، ایسا تو دنیا کی بے وقوف سے بے وقوف قوم بھی نہین کر سکتی، خصوصاً یہودی جو سلطنت کے بھوکے تھے، پھر آخر بنی امیہ اور بنی عباس کے لئے اس حدیث کو گڑھنے کی کیا ضرورت پیش آئی، ظاہر ہے کہ ایسی حدیثین اگر گڑھی جاتین، تو حکومت کے پروپیگنڈے کے لئے جس کی ان دونون کو ضرورت ہی نہین پیش آئی، ان کے مقابلہ مین غیر قرشی دعویدار کون تھا، بنی عباس کے خاتمہ تک کسی غیر قرشی نے خلافت کا دعوی نہین کیا، مصنف کے اس قول سے کہ خلافت کو قریش اور آل عباس مین محدود کرنے کی کوشش کی گئی، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونون کو دو خاندان سمجھتے ہین، حالانکہ عباسی قریش ہی کی ایک شاخ ہین،

ملوکیت اور خلافت کے بارہ مین ان اصولی مباحث کے بعد خلفار کے مثالب کی فہرست شروع ہوتی ہے، اور سب سے پہلے اس تیرِ ملامت کا نشانہ صحابیِ رسول حضرت امیر معاویہؓ بنتے ہین، ان پر پہلا الزام یہ قائم کیا گیا ہے،

"حضرت امیر معاویہ ہی غالباً سب سے پہلے مسلمان ہین، جنھون نے عجمی کتب سیاست و حکومت کا مطالعہ باقاعدہ کیا ہے، آپ کے اس قسم کے مطالعہ جات کے ساتھ انس و انہماک نے آپکے اسلامی

تخیلات پر عجمیت کا کافی اثر ڈالا، اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے زمانہ مین بہت سی ان چیزون کی ابتدار کی، جن سے خلافتِ راشدہ قطعی ناآشنا تھی، اور جو عجمی سلطنتون کا طغرائے امتیاز تھین، (ص ۳۷)

یہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ گذشتہ سلاطین اور حکومتون کے حالات کا مطالعہ کرتے تھے، لیکن کسی حکمران کا سیاسی بصیرت کے لئے گذشتہ قومون اور حکومتون کے حالات کا مطالعہ کرنا، اس کی خوبی اور ہنر ہے یا عیب اور برائی، باقی یہ نتیجہ کہ اس مطالعہ نے آپ کے اسلامی تخیلات پر عجمیت کا کافی اثر ڈالا، مصنف کا خود ساختہ ہے، انھون نے بعض نئی چیزون کی ابتدار ضرور کی، جو خلافتِ راشدہ کے زمانہ مین نہ تھین، لیکن تنہا کسی چیز کی ابتدا کوئی برائی نہین ہے، خود حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین بہت سی ایسی باتین جاری کین، جو عہد رسالت اور عہد صدیقی مین نہ تھین، اور جو تاریخون مین "اولیاتِ عمرؓ" کے نام سے موسوم ہین، اس لئے نئی باتون مین صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ اسلامی تعلیم یا اسلامی روح کے خلاف تو نہین، اگر نہیں ہیں تو انکے جاری کرنے مین قباحت نہین، امیر معاویہؓ کی بیشتر ایجادات نہ صرف یہ کہ مذہب کے خلاف نہ تھین، بلکہ ان سے اسلامی حکومت کو فائدہ پہونچا، بعض مثالین خالص غیر اسلامی اثرات کی بھی ملتی ہین، لیکن ان کی تعداد دو چار سے زیادہ نہین، بعض باتین کسی مصلحت کی بنا پر اختیار کین، مصنف نے ان سب کو ایک زمرہ مین شامل کر لیا ہے، مثلاً وہ لکھتے ہین، کہ

"حضرت امیر معاویہ نے ڈیوڑھی بنوائی، دربان مقرر کئے، مسجد مین عام مسلمانون سے الگ نماز پڑھنے کے لئے حجرہ تعمیر کرایا، بیت المال کے روپے کو عجمی طور سے بے دریغ صرف کیا، یزید کو ولیعہد بنا کر اسلامی جمہوریت کا خاتمہ کیا"۔

پہلی تینون باتین یعنی ڈیوڑھی، دربان اور حجرہ کا واقعہ صحیح ہے، لیکن اسکی ضرورت اس لئے پیش آئی، کہ جب حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ پر نماز کی حالت مین قاتلانہ حملہ ہوا، اور امیر زخمی ہوئے، او

حضرت علیؓ شہید ہوئے، تو امیر معاویہؓ نے حفاظت کے خیال سے یہ انتظامات کئے، اور مسجد مین بھی حملہ سے حفاظت کے لئے مقصورہ بنوایا، انھون نے حفاظت کے لئے ایسا کیا تھا، ان کے بعد کے خلفاء نے اس کو رسماً اختیار کرلیا، اگر بیت المال کے روپیہ کو بے دریغ خرچ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انھون نے عجمی سلاطین کے طرز پر اپنی شان شکوہ اور تعیش مین روپیہ اڑایا تو غلط ہے، البتہ انھون نے اپنے استحکام سلطنت اور لوگون کو ملانے اور انعام واکرام مین بڑی فیاضی کی اسی کیساتھ انھون نے بیت المال سے بڑے بڑے اسلامی کام بھی انجام دئے جہاد مین صرف کیا، فوجون کو ترقی دی، بحری بیڑے بنوائے، قلعے تعمیر کرائے، شہر آباد کئے، دفاتر بنوائے، پولیس کو ترقی دی، ڈاک کا شعبہ قائم کیا، آب پاشی کے لئے نہرین کھدوائین، صحابہ، مجاہدین اور اشراف کے وظائف مقرر کئے، اور اس قسم کے اور بہت سے مفید کامون مین صرف کیا، اسی کیساتھ انھون نے اسکو اپنے آرام وآسایش پر بھی صرف کیا، اور خلفاے راشدینؓ کی طرح خود تنگی وعسرت کی زندگی بسر کرکے بیت المال کو خالص اسلامی مفاد کے لئے مخصوص نہین رکھا، یزید کی ولیعہدی بلاشبہہ ان کی ایک بڑی لغزش ہے، اللہ تعالیٰ ان کے دوسرے اعمال حسنہ کے صلہ مین اس لغزش کو معاف فرمائے، مگر اس کی مثال تو ان سے پہلے کوفہ مین قائم ہوچکی تھی، یزید کا معاملہ تو ایجاد کا نہین بلکہ تقلید کا ہے،

اس سلسلہ مین مصنف نے ان لوگون کے مساعی کا بھی ذکر کیا ہے، جنھون نے ان کے نزدیک ملوکیت کی مخالفت اور تجدید جمہوریت کی کوشش کی، مثلاً حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، معاویہ بن یزید اور مامون، اولاً موجودہ اصطلاح مین اسلام مین جمہوریت تھی ہی نہین، اس لئے تجدید جمہوریت کہنا بھی صحیح نہین، البتہ تجدید خلافت کہہ سکتے ہین، لیکن خلافت کی تجدید حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سوا کسی نے نہین کی، اول الذکر دونون بزرگون کی عظمت، اور ان کے فضائل اپنی جگہ پر مسلّم ہین، انھون نے ملوکیت کی مخالفت بھی کی، لیکن تجدید خلافت کے لئے نہیں، بلکہ اپنی حکومت کے لئے، ایسی حالت مین ان کی مخالفت کو تجدید خلافت کہنا صحیح نہین، معاویہ بن یزید اور مامون بھی اس زمرہ مین نہین آتے،

معاویہ بن یزید کے متعلق مصنف کا یہ بیان کہ

"معاویہ بن یزید نے بادل ناخواستہ حکومت کی، اور آخر کار لوگون سے یہ کہہ کر کہ مین اپنے تئین خلافت کے انجام دینے کے قابل نہین پاتا، اور نہ مین اس بار کا متحمل ہون، اور خلافت کے متعلق ہمارے خاندان کا کوئی حق نہین ہے، اور اصل میرے دادا معاویہ بن سفیان نے خلافت کو زبردستی اپنا لیا تھا، تم کسی دوسرے لائق شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کرلو"

مستند تاریخون کے خلاف ہے، طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ کسی نے بھی اس کو نہین لکھا ہے، خود سیوطی نے بھی جو ہمارے مصنف کا سب سے بڑا ماخذ ہین، اس کا کوئی ذکر نہین کیا، وہ صرف اس قدر لکھتے ہین کہ "معاویہ بن یزید ایک صالح نوجوان تھا، خلافت کے وقت سے موت تک برابر بیمار رہا، اس دوران مین اس نے خلافت کا کوئی کام انجام نہین دیا، اس کی مدت خلافت باختلاف روایت چالیس دن دو مہینے یا تین مہینے تھی، موت کے وقت جب اس سے کہا گیا کہ کسی کو خلیفہ نامزد کر دوگے تو اوس نے کہا کہ مین نے اس کا کوئی مزہ نہین اوٹھایا، اس لئے اب اسکی تلخیون کو بھی گوارا نہین کرتا، (تاریخ الخلفاء ص ۲۱۱)

صحیح واقعہ یہ ہے کہ وہ کچھ طبعاً کمزور تھا، کچھ علالت نے کمزور کردیا، کچھ یزید کے عہد کے افسوسناک واقعات کا دل پر اثر تھا، اس لئے وہ خلافت کے چند ہی دنون کے بعد دست بردار ہوگیا، اور اپنی دست برداری کا سبب یہ بیان کیا، کہ مجھ مین خلافت کا بار اٹھانے کی طاقت نہین ہے، مجھے عمر بن الخطاب جیسا کوئی نظر نہین آتا، کہ اس کو خلیفہ بنادون، اور نہ مجھے اصحاب شوریٰ جیسے لوگ نظر آتے، اس لئے تم لوگون کو اختیار ہے کہ جس کو چاہو خلیفہ منتخب کرلو (ابن اثیر ج ۳ ص ۵۱)

"شیعی مورخ ابن طقطقی کا بھی یہی بیان ہے، (دیکھو الفخری ص ۱۰۷) مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف یعقوبی کا بیان ہے، اور یعقوبی شیعہ ہے، اس لئے امیر معاویہ کی مذمت مین تنہا اس کا بیان معتبر نہین،

مامون کی جمہوریت نوازی کے ثبوت مین مصنف نے دو واقعے نقل کئے ہین، ایک یہ کہ اس نے اعلان کرادیا تھا، کہ جو شخص امیر معاویہؓ کا ذکر بخیر کرے گا، مین اس کی حفاظت سے بری ہون" دوسرے یہ کہ اس نے اپنی اولاد اور بھائیون کے ہوتے ہوئے امام علی رضا کو ولی عہد بنایا، گو پہلی روایت سیوطی نے لکھی ہے لیکن سیوطی اس معاملہ مین بہت غیر محتاط ہین، اور ان کی کتاب رطب ویابس کا مجموعہ ہے، اس لئے ان کا ہر بیان قابل قبول نہین، لیکن اگر اُسے صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس کا سبب ملوکیت دشمنی اور جمہوریت نوازی نہین تھی، بلکہ اس کی خاندانی عصبیت اور اس سے زیادہ شیعیت تھی، مامون کے متعلق سنی مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ شیعیت کی جانب میلان رکھتا تھا، اس لئے امیر معاویہؓ کی بُرائی اور علی رضا کی ولیعہدی دونون اس کی شیعیت کا نتیجہ تھین، نہ کہ جمہوریت نوازی کا، اگر وہ جمہوریت نواز تھا تو امام علی رضا کی وفات کے بعد اپنے جاہل بھائی معتصم کو کیون خلیفہ بنا گیا، کیا اس کے علاوہ عام مسلمانون مین اسے کوئی اور اہل نظر نہ آتا تھا، پھر خلافت کے بارہ مین اس کی نظر صرف علی رضا کی جانب کیون اٹھی، اور ہاشمیت کے وراثتی دائرہ کے باہر کیون نہ گئی، یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیعہ مورخین کا بیان ہے کہ امام علی رضا کی ولیعہدی مامون کی پولیٹیکل چال تھی، جس کے ذریعہ وہ ان پر قابو حاصل کرکے قتل کرانا چاہتا تھا، چنانچہ ان کے بیان کے مطابق مامون نے ان کو زہر دلواکر خاتمہ کرادیا، (الفخری ص ۱۹۸)

آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے،

مصطفےٰ کمال نے اتحادیوں پر فتح پاتے ہی خلافت اور ملوکیت دونون کا خاتمہ کردیا، ...... اس مین کوئی شک نہین کہ مصطفیٰ کمال نے نظام ملوکیت کو جو بارہ صدی سے دنیاے اسلام پر حاوی تھا ترکی سے ختم کر دیا، اور اپنی قوم کو حق انتخاب دے کر ان مین جمہوریت کی روح پھونک دی لیکن ابھی تک ترکی مین نہ قانون اسلامی جاری ہوا ہے، نہ سوسائٹی کی تشکیل و ترتیب اسلامی اصولون پر ہے، نہ دنیاے اسلام کے مسلمانون سے ترکی مدبرین کو کوئی دلچسپی ہے

شاید مستقبل قریب مین ظلمتِ شب مین امید کی کوئی کرن پیدا ہو،

کہان صرف ایک ملوکیت کی مخالفت مین وہ جوش وخروش کہ صحابی رسول امیر معاویہؓ سے لیکر سارے خلفاے اسلام اس جرم مین نشانۂ ملامت بنے، اور کہان ترکی سے شریعت اسلامیہ کو خاتمہ پر یہ نرمی اور یہ عفو ودرگذر، گویا جمہوریت کے مقابلہ مین اسلامی شریعت کی کوئی قیمت ہی نہین، مصنف نے ملوکیت کی مخالفت مین جو زور قلم دکھایا ہے کاش اس کا عشر عشیر ترکی سے اسلامی شریعت کے خاتمہ پر ہوتا، اس سے مصنف کی جمہوریت اور ان کی حکومت الٰہیہ کے تصور کا اندازہ ہو سکتا ہے، جمہوریت تو حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، نہ کہ اصل اور بنیاد کہ تنہا اس کارنامہ پر دوسرے بنیادی امور سے چشم پوشی کر لی جائے، اس لئے مصنف کو بنی امیہ کی ملوکیت کی بدعت سے ترکون کی اس جمہوریت پر زیادہ ماتم کرنا چاہئے تھا، ملوکیت کے نمایندون نے تو اپنی تمام بدعملیون کے باوجود اسلام کی روح کو نہ سہی، لیکن اس کے ظاہری قانون کو بہرحال قائم رکھا اور جمہوریت نواز ترکون نے تو اصل ہی کا خاتمہ کر دیا، اور ہمارے بھولے مصنف ابھی تک ان سے امید کی کرن پھوٹنے کی لو لگائے بیٹھے ہین،

ملوکیت کی تاریخ اور اس کے اس "حُسن خاتمہ" کے بعد ملوکیت اور لوازم قیصریت یعنی خلفاء کی ظاہری شان وشوکت اور تعیش وغیرہ کی بحث شروع ہوتی ہے، اس پر نظر ڈالنے سے پہلے خلافت اسلامیہ کے متعلق ایک عام غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے لائق مؤلف نے ملوکیت اور وراثتی بادشاہت کی بحث مین جابجا اسلامی خلافت کو جمہوریت سے تعبیر کیا ہے، بلکہ اس کا مستقل عنوان قائم کرکے جمہوریت اور خلافت پر بحث کی ہے مثلاً

جن علماء نے اسلام کے نظام جمہوریت اور اساس خلافت کا صحیح مطالعہ نہین کیا، (ص ۴۸) "حضرت امام حسین نے یزید کی جمہوریت کش و بدعت افزا طاقت کے سامنے سر جھکانے پر شہادت کو ترجیح دی، (ص ۴۹) حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی اس نظام ملوکیت کے خلاف آوازہ بلند کیا، اور نو برس تک مکہ شریف میں قرون اولیٰ کے نظام جمہوریت کی یاد تازہ رکھی (صفحہ ۵۰)

مامون نے وراثتی بادشاہت کے تباہ کن اصول مین انقلاب پیدا کرنے کی بہت کوشش کی، مگر حکومت پر بنی عباس کا اثر بے حد چھا گیا تھا، اور اسلامی سوسائٹی عیش و تنعم مین مست ہو کر روح جمہوریت سے ناآشنا ہو چکی تھی (ص ۵۵) خلافت الٰہیہ کا وہ جمہوری نظام جس کے قیام کی کوشش مین حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقا نے جانین تک نثار کر دین"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک اسلامی خلافت موجودہ اصطلاحی معنون مین جمہوری تھی، جو صحیح نہین ہے، درحقیقت اسلامی خلافت کے لئے جمہوریت کی اصطلاح جدید خیالات کی پیداوار ہے، ایک زمانہ مین جب کہ مغرب کی جمہوریت کا بڑا شور تھا، دور جدید کے خود ساختہ مجتہدین لیکن مغرب کے مقلدین نے اسلامی خلافت کی تعبیر جمہوریت سے شروع کر دی، ورنہ درحقیقت اس کو موجودہ جمہوریت کے مفہوم سے کوئی تعلق نہین، وہ جس طرح ملوکیت اور وراثت نہین اسی طرح اسکو جمہوریت سے تعبیر کرنا بھی صحیح نہین ہے، اسلام نے ان سب سے الگ اپنا مستقل نظام پیش کیا تھا، جو مختلف حیثیتون سے اُن سے مختلف ہے،

اس زمانہ مین بھی جب کہ مغرب کی جمہوریت کا بڑا شور ہے، ان ملکون مین اسکی کوئی متعین مخصوص اور واضح شکل موجود نہین ہے، اور مختلف ملکون مین اسکی شکلین اور نوعیتین مختلف ہین، جمہوریت کی تعریف یہ ہے کہ وہ نظام حکومت جس مین بادشاہ نہ ہو، اور ملک کا انتظام موقتی قومی نائبون کے سپرد ہو، (مبادیات سیاست پروفیسر ہارون خان شروانی ص ۳۴۷) اس اعتبار سے تو فرانس، سوئزرلینڈ، امریکہ اور ترکی اور بعض دوسرے ملکون کی حکومتین جمہوری ہین، بلکہ جرمنی کی آمریت بھی جمہوریت ہے، لیکن ان سب کی نوعیتین ایک دوسرے سے مختلف ہین، اور ان کا طریقہ انتخاب، مدت صدارت اور اختیارات کے حدود جدا جدا ہین، امریکہ مین صدارت کے انتخاب کے لئے پورے ملک کی رائے ضروری ہے، بعض ملکون مین اس کا اختیار کسی خاص جماعت کے سپرد کر دیا جاتا ہے، فرانس مین صدارت کی مدت

زیادہ سے زیادہ سات برس ہے، اور ایک شخص عمر بھر مین ایک ہی مرتبہ صدر منتخب ہو سکتا ہے، سوئٹزرلینڈ مین صرف ایک سال کے لئے انتخاب ہوتا ہے، مصطفیٰ کمال ساری عمر صدر رہے، اختیارات کے اعتبار سے فرانس کا صدر کوئی اختیار نہین رکھتا، اور وہ وزارت کے سامنے بالکل بے اختیار ہوتا ہے، اس کے برخلاف امریکہ کا صدر مختار کل ہوتا ہے، اسے اپنی مجلس پر پورا اختیار حاصل ہوتا ہے، عاملانہ امور مین وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہین ہوتا، اور قانون سازی تک مین اثر انداز ہوتا ہے، جرمنی کا صدر آمر مطلق ہے، اس کو مقننہ، عاملانہ اور عادلانہ تمام اختیارات حاصل ہین، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہت کے علاوہ باقی اور امور مین دنیا کی تمام جمہوریتین ایک دوسرے سے مختلف ہین، اسلامی نظام حکومت اور خلیفہ کی حیثیت ان سب سے مختلف ہے، اس کا انتخاب موقتی نہین، بلکہ عموماً ساری عمر کے لئے ہوتا ہے، اور صرف احکام شریعت سے سرتابی کی صورت مین علحدہ کیا جا سکتا ہے، گو خلیفہ کا انتخاب ارباب حل و عقد مسلمانون کے ہاتھ مین ہے، لیکن ایک خلیفہ کسی دوسرے شخص کو جسے وہ خلافت کا اہل اور اسلام اور مسلمانون کے لئے مفید سمجھتا ہو، اپنا جانشین بنا سکتا ہے، یا چند اہل اشخاص کو نامزد کر سکتا ہے، کہ ان مین جس پر اتفاق ہو جائے، وہ جانشین ہوگا، حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب اکابر مہاجر و انصار صحابہ نے کیا، حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ جانشین بنا گئے، حضرت عمرؓ اپنے بعد چھ بزرگون کو نامزد کر گئے، کہ ان مین جس پر پانچ آدمیون کا اتفاق ہو جائے، وہ خلیفہ ہوگا، اگر آج مسلمانون مین نظام خلافت قائم ہو جائے، اور ارباب حل و عقد اور اصحاب بصیرت مسلمانون اور اسلامی مفاد کے لئے کوئی اور صورت تجویز کرین، تو وہ بھی ہو سکتی ہے، دوسرا وجہ نظام جمہوریت اور خلافت مین ایک بنیادی فرق یہ ہے، کہ جمہوریت خود قانون بناتی ہے، اور اس مین ترمیم اور تنسیخ کر سکتی ہے، لیکن اسلام کا قانون خدائی ہے، جس مین کسی شخص کو ترمیم و تنسیخ کا اختیار نہین، خلیفہ کا کام صرف اس کا نفاذ ہے، البتہ نئے حالات مین وہ کتاب و سنت کی بنیادون پر ارباب علم

[1] مبادیات سیاست پروفیسر ہارون خان شروانی،

کے مشورہ سے غیر منصوص قوانین قیاس واجماع کے ذریعہ بنا سکتا ہے، خلیفہ صرف قانون شریعت کے سامنے جوابدہ ہے، یعنی اسکی مخالفت کی صورت مین قوم اس سے جواب طلب کرسکتی ہے، اور اسے معزول کرسکتی ہے لیکن شریعت کے دائرہ کے اندر وہ بڑی حد تک آزاد ہے، اور اس کے لئے ہر معاملہ مین مجلس شوریٰ کے ارکان سے مشورہ لینا یا اس پر عمل کرنا ضروری نہین ہے، چنانچہ اسلام مین اگر ایک طرف آزادی کی یہ مثال موجود ہے کہ ایک معمولی سے معمولی انسان خلیفہ کو علانیہ ٹوک دیتا تھا، تو اس کی بھی مثالین ملین گی، کہ اگر خلیفہ کسی کام کو اپنی بصیرت سے اسلام اور مسلمانون کے لئے مفید سمجھتا ہے، تو اس مین وہ اصحاب شوریٰ کی رائے کا پابند نہین، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب بعض مسلمان قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے ان پر فوجکشی کا ارادہ کیا، تو حضرت عمرؓ جیسے متشدد بزرگ اور دوسرے متعدد صحابہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ جو جماعت توحید اور رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ دینے سے منکر ہے، اس پر آپ تلوار کس طرح اٹھا سکتے ہین، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بصیرت سے یہ اندازہ کرلیا، کہ اگر آج اسلام کے ایک رکن کو چھوڑنے پر سختی نہ کی گئی، تو کل کو دوسرے ارکان کو چھوڑنے کی جرأت پیدا ہو جائیگی، اسلئے آپ نے ان صحابہ کی مخالفت کے باوجود فوجکشی کرکے بزور شمشیر زکوٰۃ وصول کی، اسی طریقہ سے عراق کی فتح کے بعد تمام مجاہدین صحابہ کی رائے تھی، کہ مفتوحہ علاقون کو مجاہدین مین تقسیم کر دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ کی نگاہ اس نکتہ پر تھی کہ یہ علاقے تمام مسلمانون کا حق ہین، مجاہدین مین تقسیم کر دینے سے مسلمانون مین جاگیرداری نظام رائج ہو جائے گا، اور ان علاقون سے مجاہدین کی اولادون کے علاوہ عام مسلمانون کو فائدہ نہ پہونچ سکے گا، اس لئے آپ نے انھین حکومت کی ملک قرار دیا، اور ان پر خراج مقرر کرکے انکو انکے اصلی مالکون کے قبضہ مین رہنے دیا، بعد مین صحابہ کو بھی ان دونون بزرگون کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا، اس لئے عدم توریث کے علاوہ اور سب حیثیتون سے اسلامی خلافت موجودہ جمہوریت سے مختلف ہے، البتہ اس کے محاسن کی جامع ہے، اس لئے آئندہ اس قسم کی اصطلاحون سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ان سے

اسلامی سیاسیات کی حقیقت پر پردہ پڑ جانے کا اندیشہ ہے،

ملوکیت اور قیصریت کے نتائج کی بحث کا آغاز بنی امیہ کی مذہبی غفلت سے ہوتا ہے اس سلسلہ مین ان پر پہلا الزام شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے یہ قائم کیا گیا ہے کہ

"حضرت عثمانؓ کے بعد کسی خلیفہ نے خود اپنی امارت مین حج ادا نہین کیا، ان لوگون کی حکومت مجوسیون کی حکومت کے مانند رہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ یہ نماز پڑھتے ہین، اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرتے ہین، ہم اس تغیر کے دامن مین پیدا ہوئے ہین، معلوم نہین آگے چل کر خدائے تعالیٰ ہمکو کیا دکھاتا ہے؟"

فاضل مصنف نے ازالۃ الخفاء کے کسی مبحث کا حوالہ نہین دیا ہے، جہان جہان گمان ہوسکتا تھا ہم نے دیکھا لیکن کہین یہ عبارت نہین ملی، اس عبارت مین ضرور کوئی تحریف ہے، اس لئے کہ اس مین متعدد فروگذاشتین ہین، اولاً خلیفہ کے لئے ہر سال اپنی امارت مین حج کرانا کوئی مذہبی فریضہ نہین ہے، ۱۳ھ مین حضرت عمرؓ خود حج مین نہ جا سکے تھے، اور آپ کے بجائے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امارت حج کا فرض انجام دیا تھا، (یعقوبی ج ۲ ص ۱۱۳) حضرت علیؓ اپنے زمانہ مین ایک سال بھی حج کو نہ جاسکے، اور آپ کی جانب سے دوسرون نے اس فرض کو انجام دیا، (ایضاً ص ۲۵۴) اس لئے اگر خلیفہ کا اپنی امارت مین حج نہ ادا کرنا مجوسیت ہے، تو خاکم بدہن حضرت عمرؓ اور ان سے زیادہ حضرت علیؓ پر یہ الزام عائد ہوتا ہے، یہ واقعہ بھی غلط ہے، کہ اموی خلفاء حج کیلئے نہ جاتے تھے، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ مین دو مرتبہ خود امارت حج کا فرض انجام دیا، اور باقی سالون مین دوسرون کو اپنا نائب بنا کر بھیجا، (یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۴) اسی طریقہ سے عبدالملک نے ۷۶ھ مین حج کیا، عباسی خلفاء مین منصور نے پانچ حج کئے، آخری مرتبہ سفر حج ہی مین حج سے پہلے انتقال کیا، (ص ۴۶۷) مہدی نے ایک حج کیا، (ص ۴۸۵) ہارون کا معمول تھا کہ وہ ایک سال حج کرتا تھا، ایک سال جہاد، اس معمول مین بہت کم فرق آتا تھا، (تاریخ الخلفاء ص ؟)

چنانچہ اس نے اپنے زمانہ مین آٹھ حج کئے، (یعقوبی ج ۲ ص ۵۲۱ و ۵۲۲) تمام خلفار کے حجون کا شمار مقصود نہین، صرف چند مثالین دیدی گئین،

درحقیقت خلفا، خلافت کی مشغولیتون کے باعث ہر سال امارتِ حج کے فرائض انجام دے ہی نہین سکتے، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تک کو اپنے بجاے دوسرے اشخاص کو امیر الحج بنا کر بھیجنا پڑا، اس لئے خلیفہ کو اپنی بجاے دوسرے ذمہ دار اور اہل اشخاص کو اپنا نائب بنا کر بھیجنے کی اجازت ہے، اور فقہ کی کتابون مین اس کے متعلق ابواب ہین (ملاحظہ ہو احکام السلطانیہ ماوردی باب امارتِ حج) اس لئے یہ عبارت بجنسہ شاہ ولی اللہ صاحب کی نہین ہوسکتی، اس کے اس ٹکڑے سے کہ "ہم اس تغیر کے زمانہ مین پیدا ہوئے" معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ بیان اپنے زمانہ کے متعلق ہے، جس زمانہ مین بلاشبہ اسلامی حکومت کا صرف نام رہ گیا تھا،

دوسرا الزام یہ ہے کہ

"بنی امیہ نے نماز کے اوقات کی پابندی ترک کردی، اور مساجد مین نماز کا نظام ابتر ہوگیا اور خاص طور سے حجاج بن یوسف کے دور مین نمازین برباد ہوتی جارہی تھین"

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اموی خلفار نے نماز کے اوقات کی پابندی مطلقًا ترک کردی تھی، حالانکہ واقعہ کی اصلی صورت یہ ہے کہ بعض خلفا، نماز آخر وقت مین پڑھتے تھے، جیسا کہ خود مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ "سلیمان ابن عبد الملک اور عمر بن عبد العزیزؒ نے اول وقت نماز کو قائم کیا"، پھر بعض خلفار کی نماز دن کے اوقات مین تاخیر سے ساری کی ساری مسجدون کے نظام مین ابتری کیونکر ہوسکتی ہے، وہ خود ایک غلطی کرتے تھے، انھون نے اس کا کوئی قانون تھوڑا ہی بنا دیا تھا، کہ ساری مسجدون پر اس کا اثر پڑتا، اس کے بعد اموی خلفار کی بعض اور بدعتون کا ذکر ہے:-

"جس نے سب سے پہلے اپنا نام سکہ پر درج کرایا عبد الملک ہے، جس نے سب سے پہلے اپنا نام لیکر پکارنے کو منع کیا ولید بن عبد الملک ہے، جس خلیفہ کو سب سے پہلے لقب کیساتھ پکارا گیا میر ہے، جس نے سب سے اول گھوڑون کو سونے کا زیور پہنایا معتز ہے،"

ان مین سے بعض بدعتین یقینًا عجمی ہین لیکن مصنف نے سب کو ایک ہی زمرہ مین شامل کرلیا، درحقیقت ان کو "اولیات" سے دھوکا ہوا، بعض مورخین کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر خلیفہ کے عہد کے آخر مین اسکی اچھی بری ایجادون کو اولیات کے نام لکھدیتے ہین، ہمارے فاضل مصنف نے "اولیات" کو بدعت تصور کرلیا، جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے بہت سی اولیات تو حضرت عمرؓ کی بھی ہین، کیا ان کو بھی عجمی بدعت کہا جائے گا، اس خوش فہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ انھون نے عبد الملک کے ایک بڑے کارنامہ کو بدعت شمار کرلیا، سکون پر عبد الملک کے نام درج کرانے کا واقعہ سراسر غلط ہے، اسکی اصل صورت یہ ہے کہ عبد الملک شاہی فرامین و مراسلات کے سرنامہ پر قل ہو اللہ اور آنحضرت صلعم کا ذکر مبارک لکھا کرتا تھا، قیصر روم کے پاس جو مراسلات جاتے تھے، ان مین بھی یہ مقدس طغرا ہوتا تھا، اس نے اعتراض کیا، کہ میرے پاس جو مراسلات آیا کرین، ان مین یہ تحریر نہ ہونی چاہئے، ورنہ مین اس کے جواب مین اپنے سکون پر تمھارے نبی کے متعلق ایسے کلمات نقش کراؤن گا جو تمپر گران گذرین گے،

اس دھمکی پر عبد الملک بہت برہم ہوا، اوس وقت اسلامی حکومت کا اپنا مستقل سکہ نہ تھا[۱]، اور اسلامی ملکون مین بھی رومی اور عجمی سکون سے کام چلتا تھا، قیصر روم کی اس دھمکی پر عبد الملک نے اسلامی قلمرو سے رومی سکہ منسوخ کردیا، اور اس کے بجاے اسلامی سکے ڈھلوا کر جاری کئے، ان کے ایک رخ پر سورۂ اخلاص اور دوسرے رخ پر لا الٰہ الا اللہ[۲] محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ نقش تھا، خود سیوطی کا بھی جن کے بیان مین مصنف نے تدلیس کی ہے، یہی بیان ہے، (دیکھو تاریخ الخلفا صفحہ ۲۱۱) مصنف نے عبد الملک کے اس کارنامے کو اسکی بدعات مین شمار کرلیا، یہ تو اسلامی حکومت پر اس کا بڑا احسان ہے کہ اس نے اس کو رومیون کی اقتصادی غلامی سے آزاد کرایا، عبد الملک کے سکے دنیا سے ناپید نہین ہوگئے ہین، مصر کے میوزیم مین آج بھی موجود ہین، جرجی زیدان نے تاریخ مصر الحدیث مین ان کا عکس دیا ہے، مصنف نے

[۱] اسلامی تاریخ مین عبد الملک سے پہلے کے بعض خلفار کے سکون کا ثبوت بھی ملتا ہے لیکن غالبًا وہ کسی وقتی ضرورت کے لئے تھوڑی تعداد مین ڈھلوائے گئے تھے، اصل سکہ رومی وعجمی ہی تھا، سب سے پہلے بیرونی سکون کو منسوخ کرکے باضابطہ اسلامی سکہ عبد الملک ہی نے ڈھلوایا

[۲] وحدہٗ لا شریک لہٗ،

دیکھ کر معلوم کر سکتے تھے، کہ ان پر عبد الملک کا نام نقش ہی، یا آیات قرآنی اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے، کہ سکون پر نام ہی نقش کرایا تھا، تو یہ کونسا جرم ہی؛

امیر المومنین کا لقب سب سے پہلے مسلمانون نے حضرت عمرؓ کو دیا تھا اس وقت سے تمام خلفا برابر اسی لقب سے مخاطب کئے جاتے تھے، پھر عبد الملک کو اپنا نام چلانے کی ممانعت کی کیا ضرورت پیش آئی، اگر ولید امیر المومنین کے لقب کے علاوہ کسی اور لقب سے ملقب کیا گیا، تو اس کا علم مصنف کے علاوہ اور کسی کو نہین، اور اگر امیر المومنین ہی کے لقب سے پکارا جاتا تھا تو یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے جاری ہو چکا تھا، گھوڑون کے طلائی زیورات البتہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہین لیکن عباسی خلفا، کے اس قسم کے تعیش اور عجمی اثرات سے کسی کو انکار نہین،

اس کے بعد مصنف نے خلفاء کے شان و شکوہ اور عیش و تجمل کے واقعات کی فہرست لکھوی ہے، اس سلسلہ مین خلفاے راشدینؓ کی سادگی اور کفایت شعاری کا یہ دلچسپ واقعہ نقل کیا ہی،

"حضرت عمر نے تو یہان تک حکم دیا تھا، کہ بجز کوفہ اور بصرہ کے ایک شہر مین ایک سے زیادہ مسجد نہ بننے پائے"

مصنف نے اس کے ثبوت مین کسی کتاب کا حوالہ نہین دیا ہی، غالباً اردو کی کسی غیر معتبر کتاب سے اسکو نقل کیا ہی، اور اگر براہ راست مستند عربی ماخذون پر ان کی دست رس ہے تو انھون نے صریح تدلیس سے کام لیا ہی، اسکی حقیقت یہ ہی کہ بیرون عرب اسلامی فتوحات زیادہ تر عہد فاروقی مین ہوئین، اس لئے اس زمانہ مین خالص اسلامی شہر جہان مسلمانون کی آبادی زیادہ ہو بہت کم تھے، کوفہ بصرہ اور فسطاط جو اسلامی شہر شمار ہوتے تھے، وہ آپ ہی کے آباد کردہ تھے اسلامی شہرون مین جہان مسلمانون کی زیادہ آبادی تھی آپ نے مساجد کی تعمیر کے لئے کوئی قید نہین رکھی تھی، بلکہ آپنے خود ایک ایک شہر مین کئی کئی مسجدین تعمیر کرائین، البتہ ان ممالک کے شہرون مین جو ابھی پورے طور سے اسلامی تسلط مین نہ آئے تھے، یا قبضہ مین آچکے تھے لیکن ان مین مسلمانون کی ابھی مستقل آبادی قائم نہ ہوئی تھی، ان مین اس وقت کی ضرورت کے مطابق صرف ایک مسجد بنوانے کا حکم دیا، اس مین شام بھی تھا، مقریزی کا بیان ہی:-

لمّا افتتح عمر البلدان کتب الی ابی موسی وَهُوَ علی البصرة یامره ان یتخذ مسجداً للجماعة ویتخذ للقبائل مساجد ...... وکتب الی سعد بن ابی وقاص وهو علی الکوفة بمثل ذالك وکتب الی امراء اجناد الشام ان لایتبدّ دوا الی القری و ان ینزلوا المدائن وان یتخذ وا فی کل مدینة مسجداً واحداً ولا تتخذ القبائل مساجد،

"جب حضرت عمرؓ نے شہرون کو فتح کیا، تو ابو موسیٰ کو جو بصرہ کے والی تھے، تحریری حکم بھیجا کہ ایک جامع مسجد اور قبائل کے لئے علحدہ علحدہ مسجدین تعمیر کرائین، اور سعد بن ابی وقاصؓ والی بصرہ کو بھی اس قسم کا حکم دیا، اور شام کے فوجی افسرون کو لکھا کہ وہ قریون مین منتشر نہ ہو جائین، بلکہ شہرون مین یکجائی قیام کرین، اور ہر شہر مین ایک مسجد بنائین، قبائل علحدہ اپنی مسجدین نہ بنائین،"

(خطط مقریزی ج ۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ دو حکم دو جدا صورت حال کے لئے تھے، کوفہ اور بصرہ جو خالص اسلامی شہر تھے اور جہان مسلمانون کی بڑی آبادی تھی، ہر ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدین تعمیر کرانے کا حکم دیا، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین شام کے شہرون کی آبادی خالص عیسائیون اور یہودیون کی تھی، چند مقامات پر فوجی چھاؤنیاں البتہ قائم ہو گئی تھین جن مین اسلامی فوجین رہتی تھین، ان کے علاوہ کچھ اور خال خال مسلمان تھے، ان کی ضرورت کے لئے ایک مسجد کافی تھی، یہ بھی قابل لحاظ ہی، کہ کوفہ اور بصرہ کے تو والیون کے نام حکم تھا، اور شام کے فوجی افسرون کے نام، اور اس مین یہ جنگی ہدایت بھی ہے کہ فوجی مسلمان قریون مین منتشر ہونے کے بجائے ایک جگہ شہرون مین رہین، اس سے معلوم ہوتا ہی، کہ یہ حکم اس وقت کا ہی، جب شام کے علاقہ مین پورا نظام قائم نہین ہوا تھا ورنہ یہ حکم بھی والیون کے نام ہوتا، اس لئے اس پر اسلامی شہرون کو قیاس کرنا صحیح نہین ہے، جب کوفہ اور بصرہ مین ہر ہر قبیلہ کے لئے الگ مسجدین تعمیر کی گئین تو کوئی وجہ نہین کہ دوسرے اسلامی شہر اس سے مستثنیٰ

رہے ہون، یہ اور بات ہو کہ اسکی تفصیل نہ ملتی ہو، اسکی وجہ یہ ہو کہ مورخین عموماً جامع مسجدون کی تعمیر کا خصوصیت سے ذکر کرتے ہین، تمام مساجد کا ذکر نہین کرتے،

ایک شہر مین ایک سے زیادہ بلکہ متعدد مساجد کی تعمیر کی مثال خود عہد نبوی اور مدینہ طیبہ مین موجود ہے، جس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہین رہجاتی، مدینہ طیبہ مین ہجرت نبوی سے پہلے ہی کئی مسجدین تعمیر ہو چکی تھین، حضرت جابر انصاری کا بیان ہے، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے پیشتر سے مدینہ مین مسجدین تعمیر کرتے تھے، اور ان مین نمازین پڑھتے تھے، (فتح الباری ج، ص ۱۹۱)

عہد نبوی کی نو مسجدون کے نام تصریح کے ساتھ کتابون مین موجود ہین، جن مین علحدہ علحدہ جماعت ہوتی تھی، مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی رایح، مسجد بنی زریق، مسجد غفار، مسجد اسلم اور مسجد جہینہ (دار قطنی کتاب الصلوٰۃ باب کرار المساجد)

حافظ ابن حجر نے مدینہ کے راستہ اور بعض ان مقامات کی مسجدون کے حسب ذیل نام لکھے ہین، جہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، مسجد قبا، مسجد الفضیح، مسجد قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین (فتح الباری ج اول ص ۲، ۴۴) عینی نے عہد نبوی کی مختلف قبائل کی تیس پینتیس مسجدون کے نام لکھے ہین، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۰)

ان تفصیلات کے بعد بھی کیا یہ کہنے کی گنجائش رہ جاتی ہو، کہ حضرت عمرؓ نے ایک شہر مین ایک سے زیادہ مسجدون کی تعمیر کی ممانعت کر دی تھی، تاریخی ثبوت سے قطع نظر یہ چیز عقل سلیم کے غور کرنے کی ہو، کہ ایسے مقامات کے جہان مسلمانون کی کثرت ہو، حضرت عمرؓ اس طرح کا حکم دے کیسے سکتے تھے، اس کے معنی یہ ہین کہ جماعت جیسی اہم چیز سے مسلمانون کو روکتے تھے، کیا ہمارے لائق مصنف حضرت عمرؓ پر یہ الزام پسند کرین گے؟

(باقی)

عالمگیر کے عہد مین مندرون کا انہدام

از

مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی

بنگال کی انگریزی درسگاہون کے نصاب مین ہندوستان کی تاریخ کی جو کتابین داخل ہین خوشی ہوئی کہ محکمۂ تعلیمات بنگال نے ان مین کو غیر صحیح و مسخ شدہ مندرج واقعات کی چھان بین کرنے اور ان پر تصحیح و استدراک کے طور پر حواشی تیار کرانے کا فیصلہ کیا ہی، خدا کرے کہ اس کا یہ عزم پورا ہو،

اس سلسلہ مین "عالمگیر کے عہد مین مندرون کو انہدام" کا پارینہ موضوع بھی زیر بحث آیا، اور ڈائرکٹر محکمۂ تعلیمات نے اس موضوع کے ماہر سر جدو ناتھ سرکار سے رجوع کیا، کہ ان کی تاریخ مین بھی یہ الزامات دہرائے گئے ہین، موصوف نے جو جواب دیا ڈائرکٹر تعلیمات نے عنایت فرمائی سے اپنے مکتوب کے ساتھ اس کو "اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر" کے مصنف کے جانشین حضرۃ الاستاذ مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی مدظلہ کی خدمت میں بھیجا، دار المصنفین کی طرف سے اس کا جو جواب الجواب بھیجا گیا، وہ عام افادہ کے لئے ذیل مین پیش ہو کہ ع

گاہے گاہے باز خوان این قصۂ پارینہ را "س"

"آپ کا ڈی، او (925-28T.B) موصول ہوا، آپ نے تحریر فرمایا ہو کہ "مولانا شبلی نے جو اردو کے معروف مصنف ہین، اپنے مقالہ مین جو اورنگزیب پر ہے یہ دکھایا ہو کہ شہنشاہ نے جو چند مندرون کے مسمار کرنے کا حکم دیا تھا، وہ جواب مین اس عمل کے تھا، جو

ہندوؤن نے مسجدون کو شہید کیا تھا، اور مختلف حلقون مین مسلمانون کو ہندو بنایا گیا تھا، لیکن لائق مصنف نے بدقسمتی سے اپنے اس بیان کی تائید مین کوئی حوالہ نہین دیا ہے"۔

آپ نے ازراہ مہربانی اس مسئلہ کے متعلق سر جدوناتھ سرکار کا مکتوب بھی روانہ فرمایا ہے، جس مین وہ ارشاد فرماتے ہین، کہ

"مہربانی کرکے آپ میری تاریخ اورنگزیب جلد سوم طبع سوم متعلقات نمبرہ صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۶ ملاحظہ کرین، جس مین ایسی فارسی تاریخون کے ترجمے درج ہین جو مسلمانون کی لکھی ہوئی ہین، ان مین سے بیشتر اورنگزیب سے متعلق ہین، اور ثابت کرتی ہین، کہ شہنشاہ نے حکم دیا، کہ ہندوؤن کے سب مندر توڑ دیئے جائین، اور اس نے اسکی مشق اپنی تخت نشینی کے پہلے سے شروع کر دی تھی، مولانا شبلی نے اسکی کوئی وجہ نہین لکھی، کہ کیون اورنگزیب کے عہد حکومت کی ایسی سرکاری تاریخ کو قابل یقین نہ سمجھا جائے، جس کو محمد ساقی نے شہنشاہ کے مقرب مصاحب (مرید خاص) عنایت اللہ کی ہدایت کے مطابق سرکاری کاغذات کی مدد سے مرتب کیا ہے، اور جس مین بیان کیا گیا ہے کہ

"سنہ ۱۰۹۰ھ احکام اسلام نظام بناظمان کل صوبجات صادر شد کہ مدارس و معابد بیدینان دستخوش انہدام سازند"۔ (ص ۸۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۱۶۶۹ء مین یہ فرمان صادر ہوا کہ مندر مسمار کئے جائین، اور سنسکرت کے اسکول پورے مغلیہ سلطنت مین بند کر دیے جائین، یہ مثال اس امر کے ثبوت مین ہے کہ یہ حکم اورنگزیب کے بہت ہی آخر عہد حکومت (ختم عہد سنہ ۱۷۰۷ء) میں صادر ہوا، اور اسکی مثالیں میری کتاب مین موجود ہین، جو مستند مورخین سے ماخوذ ہین، اور مسجد کے انہدام کا کوئی واقعہ اورنگزیب کی تاریخ مین موجود نہیں"۔

تنقیح طلب امور ان دونون مراسلون میں حسب ذیل امور تنقیح طلب نکلتے ہین:-

۱- مولانا شبلی مرحوم نے اپنے اس بیان کی تائید مین کوئی حوالہ نہین دیا، کہ مندر جبراً منہدم کئے گئے،

۲- اورنگزیب نے اپنی شاہزادگی کے زمانہ سے مندرون کے مسمار کرنے کی مشق شروع کی، پھر اپنے دور حکومت مین کل صوبون مین مندرون کے انہدام اور ہندوؤن کے مدرسون کے بند کرنے کا عام فرمان جاری کیا، اور اسی بنا پر عالمگیر کے زمانہ مین بہت سے مندر مسمار کئے گئے، جن کا تذکرہ مستند مورخین نے کیا ہے، اور جنھین سر جدوناتھ سرکار نے اپنی تاریخ مین جمع کیا ہے،

۳- مولانا شبلی مرحوم نے ان مورخین خصوصاً محمد ساقی کے اس بیان کے باور نہ کرنے کے وجوہ نہین بتائے کہ سنہ ۱۰۹۰ھ مین مندرون کے مسمار کرنے اور مدرسون کے بند کرنے کا عام فرمان جاری ہوا،

اب ذیل میں سلسلہ وار معروضات پیش ہین:-

مولانا شبلی مرحوم کا بیان مولانا شبلی مرحوم کے متعلق یہ لکھنا صحیح نہین، کہ انھون نے عالمگیر کے زمانہ مین مسجدون کے مسمار کئے جانے اور مسلمانون کے ہندو بنائے جانے کا ذکر کیا ہے، کہ اس نے اپنے عہد کی ان حرکتون کے جواب مین مندرون کو مسمار کر دیا، بلکہ انھون نے اکبر کے عہد سے عالمگیر کے زمانہ تک کے ہندوؤن کے طرز عمل کا جائزہ لیا ہے اور دکھایا ہے، کہ

اب ہندوؤن نے علانیہ مسلمانون پر تعدی اور ظلم شروع کیا، نوبت یہان تک پہنچی، کہ ہندو مسلمان عورتون سے بہ جبر شادی کرتے تھے، اور ان کو گھرون مین ڈال لیتے تھے، اس سے بڑھکر یہ کہ مسجدون کو توڑ کر اپنی عمارتون مین داخل کرتے تھے، شاہجہان نامۂ عبد الحمید لاہوری جو شاہجہان کی شاہی تاریخ ہے، اور خود شاہجہان کے حکم سے لکھی گئی ہے، اس مین یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے:-

"وچون رایات جلال بحوالی گجرات پنجاب رسید، جمع از سادات و مشائخ آن قصبہ

استغاثہ نمودند کہ برخے از کفار نابکار حرائر وآمائے مومنہ را در تصرف دارند وچندے از بنیان مساجد بہ تعدی در عمارات خود آوردہ بنا بران شیخ محمود گجراتی کہ از رسمی دانش بہرہ وراست وداروغگی حرم جدید الاسلام بر دمقرر رخصت یافت تا بعد از ثبوت فساد مسلمہ را از تصرف کفار برآرد، ومساجد عمارات آن ملاعین جدا سازد، او مطابق حکم بہ عمل آوردہ ہفتاد وحرہ وجاریۂ مومنہ را از تصرف کفرہ فجرہ برآوردہ وہر جا کہ مسجدے در زیر عمارت ہنود در آمدہ بود بعد از تحقیق آن را افراز نمود وذرے اذان جابہ طریق جرمانہ گرفتہ بدستور سابق مسجد ساخت، پس ازان کہ این ماجرا بہ مسامع جلال رسید یرلیغ قضا نفاذ صادر شد کہ بدستور قدیم ہر کہ مسلمان شود مسلمہ را بہ عقد مجدد باو باز گذارند، پس از ورود وفرمان جمعے از سادات یاوری بہ پایۂ اسلام رسیدہ زنان مسلمہ را بہ نکاح جدید متصرف گشتند وحکم شد کہ در کل ممالک محروسہ ہر جا چنین واقع شدہ باشد، بدین دستور عمل نمایند چنانچہ اناث بسیار از دست کفار برآمدہ در نکاح مسلمانان در آمدند، وگروہے از کفار بہ قبول دین مبین . . . . . .

. . . . از آتش دوزخ رہائی یافتند وبتخانہا منہدم گردید وبجائے آن مساجد بنا یافت"[۱]

عالمگیر کے ہاتھوں مندرون کے انہدام کی حقیقت،

۲- اورنگزیب کی شاہزادگی کے زمانہ سے آخر دورِ حکومت تک مندرون کے مسمار کئے جانے کے جو واقعات پیش آئے، ان کی حقیقت سمجھنے کے لئے ان اسباب کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے، جو وقتاً فوقتاً پیش آتے گئے، اور ان کے نتیجہ مین مندر منہدم کئے گئے،

شاہجہان کے زمانہ مین ہندوون کی زیادتیان

الف ۔ شاہجہان کے زمانہ مین ہندوؤن کی جو زیادتیان ہوتی رہتی تھین، ان کا حوالہ مولانا شبلی مرحوم کی تحریر بالا مین گذر چکا، محمد صالح لاہوری نے عمل صالح معروف بہ شاہجہان نامہ مین اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے:-

[۱] مضامین عالمگیر مولانا شبلی ص۳ بحوالہ شاہجہان نامہ جلد دوم ص ۵۸، ۵۷ واقعات سنہ جلوس،

چون ظاہر قصبۂ گجرات پنجاب مضرب خیام دولت واقبال شد، چندے از سادات ومشائخ آن قصبہ معروض واقفان عتبۂ سدرہ رتبہ داشتند کہ بعضے از کفرہ فجرہ زنان وکنیزان مسلمان را در تحت تصرف دارند وگروہے بدبخت خارج از دائرۂ دین نیز از طور حد واندازہ خود پا بیرون نہادہ، مساجد را داخل عمارات خود نمودہ اند، بندگان حضرت تحقیق حقیقت این امر را بہ شیخ محمود گجراتی، کہ داروغگی ہمگی نو مسلمانان بدو مفوض بود مرجوع فرمودہ مقرر ساختند کہ بعض از ثبوت این مقدمہ زنان وکنیزان را از بنیان گرفتہ مساجد را از منازل این بے دینان جدا نمودہ حقیقت بعرض مقدس رساند، چون شیخ بآن قصبہ رسید ہفتاد اصیلہ وکنیز مسلمہ را از تصرف آن مردودان برآوردہ بمردم متدین پرہیزگار سپرد وچندین مسجد را از خانہائے ایشان فراز ساخت وبے سعادتے کہ نسبت بہ مصحف مجید استخفافے از و سرزدہ بود بعد از اثبات او را گردن زدند، آنگاہ امر اعلیٰ بصدور پیوست کہ در سائر ولایت پنجاب ہر جا این صورت بے معنی روے نمودہ باشد متکفلان مہمات شرعی ومتصدیان خدمات عرفی شرائط تفحص وتجسس بجا آرند ومساجد را از قبضۂ تصرف واراضی مساجد را از خانۂ کفار برآوردہ بعقد مسلمانان درآورند، قریب چہار صد ہندو بطیب خاطر قائل کلمتین طیبتین گشتہ از تہ دل مسلمان شدند، وہفت مسجد از کفرہ فجرہ برآمدہ بتازگی عبادت گاہ اہلِ اسلام گردید، وسہ بتخانہ از بیخ وبنیاد برکندہ شد وبجائے آن مساجد ومعابد اساس یافت"[۱]

یہ صورتِ حال شاہجہان کے زمانہ مین جو ہر طبقہ مین غیر متعصب حکمران مانا گیا ہے، قائم تھی، اور صرف کسی ایک قصبہ کا واقعہ نہین بلکہ پورے صوبہ پنجاب مین جا بجا اسکی مثالین پائی گئین، اور یہ ایک ایسے صوبہ کا حال تھا، جہان مسلمان زیادہ تعداد مین آباد تھے، اور جو بہت ہی قریب زمانہ مین دار الحکومت پرہ چکا تھا،

[۱] عمل صالح جلد ۲ ص ۶۴، ۶۵،

اور ہندوستان کے شہنشاہ کو اکثر یہان کی آبادیون سے گذرنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا، اسی مناسبت سے
ان صوبون کے مسلمانون کا حال تصور کیا جاسکتا ہی جو دارالحکومت سے دور پڑتے تھے، اور جہان مسلمانون
کی آبادی بھی زیادہ موجود نہ تھی، پھر شاہجہان کے آخر عہد حکومت مین دارا شکوہ کا دار دورہ ہوا جسکی
ہندو پرستی کوئی پوچھی ہوئی بات نہیں ہی، اس لئے ہندوؤن کے مذہبی گروہ کا جبر و تعدی اس زمانہ مین
جس حد تک نہ بڑھ گیا ہو، کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی،

عالمگیر کے عہد مین مسلمانون مین گمراہی پھیلانے والے مرکز:

ملک کے ایسے ماحول مین عالمگیر تخت نشین ہوا، اس نے مختلف قومون کے مذہبی و سیاسی
معاشرتی حقوق متعین کئے، اور ہر قوم کو کسی دوسرے پر ظلم کرنے سے روکا لیکن
ہندوؤن کے مذہبی گروہ کی طرف سے اس نوعیت کے واقعات اپنی شکل بدل کر اس کی حکومت کے دور مین
بھی پیش آئے، جیسے کہ شاہجہان کے زمانہ مین پیش آچکے تھے، اس لئے اس کو بھی انسدادی کارروائیان
عمل مین لانی پڑین، چنانچہ شاہجہان کے زمانہ مین اگر بہ تعیین یہ معلوم ہوا کہ مسلمان عورتون کو ہندوؤن نے اپنے
گھرون مین ڈال لیا، مسجدون کو اپنے مکانون مین داخل کرلیا، اور قرآن مجید کے ساتھ سوء ادب سے
پیش آئے، اور شاہجہان نے ان کے انسداد مین جوابی کارروائیان کین، تو عالمگیر کے زمانہ مین ان واقعات
نے یہ قالب اختیار کیا، کہ ہندوؤن کے مذہبی مقتدی مسلمان بچون کو پاٹ شالون مین داخل کرنے لگے،
اور انھین مختلف ترغیبین دے کر دور دور سے بلانے لگے، اور اُن کے پاٹ شالے اور مندر مسلمانون مین
کفر و شرک پھیلانے کا ایک ذریعہ بن گئے، اور یہ خطرہ سامنے آیا، کہ ہندوستان مین مسلمانون کی نسل
اسلام کی آغوش سے نکل کر ہندوؤن مین جذب ہوجائے، اس لئے عالمگیر نے اس کا تدارک کیا، اور
اسی کے تدارک مین وہ فرمان نافذ کیا، جس کو سر جدوناتھ سرکار نے اپنے مکتوب مین نقل کیا ہی،
لیکن افسوس ہی کہ سر موصوف نے صرف بیچ کی عبارت نقل کر دی، اور اس سے اوپر اور نیچے
کی وہ عبارتین چھوڑ دین، جن سے اس فرمان کا اصل منشا ظاہر ہوتا ہی، اور وہ واقعات علم مین آتے ہین

جو اوپر بیان کیے گئے، مآثر عالمگیری کی وہ پوری عبارت ذیل مین پیش ہی:-

"بعرض خداوند دین پرور رسید کہ در صوبہ ٹھٹھہ و ملتان خصوص بنارس، برہمنان بطالت نشان
در مدارس مقرر بہ تدریس کتب باطلہ اشتغال دارند و راغبان و طالبان از ہنود و مسلمان
مسافتہاے بعیدہ طے نمودہ جہت تحصیل علوم شوم نزد آن جماعۂ گمراہ می آیند، احکام اسلام
نظام بہ ناظمان کل صوبہ جات صادر شد کہ مدارس و معابد بے دینان دستخوش انہدام سازند
و بہ تاکید اکید طور درس و تدریس و رسم شیوع مذاہب کفرانیان بر اندازند"[۱]

اقتباس بالا سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرمان اپنے ماقبل و مابعد کی تصریحات کی روشنی مین
صرف ایسے ہی مدرسون اور مندرون کے متعلق ہے جو مسلمانون مین بے دینی پھیلانے کا ذریعہ بنے ہوئے
تھے، ورنہ اگر اس فرمان کا وہ عام اطلاق لیا جائے، جو سر جدوناتھ سرکار لینا چاہتے ہین، تو اس فرمان
کے بعد عہد عالمگیری مین ہندوستان کے اندر کسی ایک مندر یا پاٹ شالہ کا وجود باقی نہ رہنا چاہئے، اور
یہ معلوم ہے کہ عالمگیر کوئی ایسا کمزور حکمران نہ تھا، کہ اس فرمان کے جاری ہونے کے بعد ایک چوتھائی صدی
سے زیادہ زمانہ تک وہ حکمران رہے، اور اس کے حکم کی تعمیل نہ ہوسکے،

اس لئے نہ صرف عقلی و قیاسی طور پر اس فرمان کا وہ عمومی اطلاق نہین لیا جاسکتا ہی جو سر جدوناتھ
سرکار سمجھانا چاہتے ہین، بلکہ مؤرخ نے جن تصریحات کے ساتھ اس فرمان کو نقل کیا ہے، اس کا اقتضا ہے کہ
یہی سمجھا جائے کہ یہ فرمان صرف انھی مندرون اور پاٹ شالون کے متعلق تھا، جو مسلمانون مین بیدینی پھیلانے
کا ذریعہ بنے ہوئے تھے، اور ایک اسلامی حکومت کا (خواہ اس وقت کوئی بھی حکمران ہوتا) یہی فرض تھا، جو
عالمگیر کے ہاتھون انجام پایا، اور یہ بعینہ ویسا ہی واقعہ تھا، جیسا شاہجہان کے زمانہ مین دوسرے قالب
مین پیش آچکا تھا،

---

[۱] صفحہ ۸۱،

پھر اسی اقتباس بالا سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہو کہ مسلمانون مین گمراہی پھیلانے والے اس قسم کے مرکز اگر ایک طرف ٹھٹھہ اور ملتان مین تھے، تو دوسری طرف بنارس مین اس لئے تمام صوبون کے حاکمون کے پاس یہ فرمان علی الاطلاق بھیجا گیا، کہ وہ اپنے اپنے صوبون مین مسلمانون مین گمراہی پھیلانے والے مرکزون کی تحقیقات کرکے ان کا تدارک عمل مین لائین،

باغیون اور دشمنون کی عبادتگاہین

(ب) ہندوستان کے اسلامی عہد حکومت مین مندرون کے انہدام کے واقعات کی حقیقت سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین رکھنا بھی ضروری ہے، کہ اس زمانہ مین یہ کچھ دستور سا ہوگیا تھا، کہ لڑائیون کے موقع پر ہندو اگر کسی مسلمان حکمران پر فتحمند ہوتے، تو مسجدون اور مصحفون کی بحرمتی کرتے اور انھین برباد کردیتے تھے، اور مسلمان عورتون کی عصمت تک محفوظ نہ رکھتے تھے، فیروز شاہ کے زمانہ مین قربت حسن کانگو معبر پر مستولی ہوگیا تھا، ایک ہندو سرکش بکن اس پر چڑھ دوڑا، اور معبر مین اوس نے جو تباہی پھیلائی، شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ مین اس کو درج کیا ہے، لکھتا ہو:-

"بکن مفسد کہ درحوائی معبری باشد باجمعیت انبوہ و پیلان باشکوہ در معبر درآمد، و قربت حسن کانگو را زندہ گرفتہ، بعد از گرفتن کشتہ شہر معبر خود گرفتہ، تمام معبر کہ شہر مسلمانان بود خراب گردانیدہ بلکہ عورات مسلمانان بردست ہندوان گرفتار شدہ در شہر معبر بکن اقامت کردہ"[1]

اسی طرح اگر کسی مسلمان حکمران کو کسی باغی ہندو آبادی پر فتح ہوئی، تو وہ مفتوحہ علاقہ کے مندرون پر حملے کرتے تھے، یہان تک کہ اگر کوئی ہندو راجہ کسی مسلمان والی کی مدد کے لئے کسی دوسرے مسلمان حکمران کے مقابلہ مین آتا، تو بھی وہ مفتوح علاقہ کی مسجدون و مصحفون کی بے حرمتی سے باز نہ آتا تھا، چنانچہ ۹۷۰ھ مین علی عادل شاہ دکنی نے رام راج والی بیجانگر کو نظام شاہ کے مقابلہ مین

[1] تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۲۶۲،

اپنی مدد کے لئے بلایا، تو رام راج کی فوج کے ہاتھون خود علی عادل شاہ کے ملک کی مسجدین اور مصاحف بحرمتی سے نہ بچ سکین، اور دونون نذر آتش ہوئین، حالانکہ علی عادل شاہ نے معمول کے مطابق بحرمتی کے حادثے پیش آنے کے خطرہ سے پہلے ہی وعدہ لے لیا تھا، کہ کسی موقع پر مساجد و مصاحف کی بے حرمتی نہ کیجائیگی، لیکن موقع کے وقت رام راج اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا، چنانچہ مرقوم ہو کہ "کفار بیجانگر...... دست بیداد دراز کردہ... مساجد و معابد سوختند"[1]

اکبر اور جہانگیر کے عہد مین اسلامی معابد و شعائر کی بحرمتی کا نقشہ دوسری تاریخون سے قطع نظر کرکے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی مین جابجا نظر آتا ہی، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور مین اسلامی معابد کیساتھ کس قسم کا برتاؤ جاری تھا، اس کا عام اندازہ کیا جاسکتا ہی، مثلاً ایک جگہ آپ فرماتے ہین :-

"کفار ہند بے تحاشی ہدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہاے خود می سازند...... کفار برملا مراسم کفر بجامی آرند و مسلمانان در اجراے اکثر احکام اسلام عاجز اند"[2]

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہین :-

"غربت اسلام نزدیک بیک قرن بنجیے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجراے احکام کفریہ برملا در بلاد اسلام راضی نمی شوند میخواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند و اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نہ شود کار را تا بآن سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمان از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل می رسد"[3]

ایسے ہی زمانہ کے بعد عالمگیر کی شاہزادگی کا زمانہ شروع ہوتا ہے، جس کے متعلق سرجدو ناتھ سرکار فرماتے ہین، کہ اوس نے شاہزادگی کے زمانہ سے مندرون کے انہدام کی مشق شروع کردی تھی، لیکن جو واقعات اوپر نقل کئے گئے ان سے اندازہ ہوتا ہی کہ اس زمانہ مین عبادتگاہون کے احترام کے متعلق دو متحارب قومون کا سلوک ایک دوسرے کے ساتھ کس طور و طریق پر قائم تھا، ایسے ہی ماحول مین عالمگیر کی شاہزادگی

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۲، ص ۳۶ و ص ۳۷، [2] مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۹۲، [3] ،، جلد اص ۱۰۶،

کا زمانہ گذرا، اور پھر وہ تخت نشین ہوا، اس لئے عام طریق کے مطابق اس کے زمانہ مین بھی بغاوتون کے انسداد مین بتخانے منہدم کئے گئے، کیونکہ عالمگیر پر اپنی مطیع رعایا کی عبادتگاہون کی حفاظت عائد تھی، نہ کہ باغیون اور سرکشون کی جب باغیون کے جرم کی سزا مین ان کی جانون کی قیمت باقی نہ تھی، تو ان کی عبادتگاہون کا کیون احترام ہوتا، اگر انھین اپنی عبادتگاہون کو بچانا تھا، تو اطاعت کا سر جھکائے رہتے،

عالمگیر کے عہد مین مندرون کے انہدام کے واقعات

اس لئے جب عالمگیر کے عہد مین بغاوتون، سرکشیون اور شورشون کے حالات پیش آئے، تو اس عہد کے طریق کے مطابق مندرون کے انہدام کے واقعات کا پیش آنا بھی ضروری تھا، سر جادوناتھ سرکار نے اپنی تاریخ مین مندرون کی مسماری کے جو واقعات یکجا کئے ہین، اگر ان سب کو استقصا، کیساتھ دیکھا جائے، تو وہ کسی نہ کسی بغاوت، سرکشی اور شورش کے نتیجہ مین ثابت ہون گے، مثلاً سر موصوف نے سب سے پہلے اورنگزیب کی شاہزادگی کی مشق دکھانے کے لئے مرات احمدی کے حوالہ سے چنتامن مندر کے مسمار کئے جانے کا ذکر کیا ہے، جو سرس پور مین واقع تھا، اور ستیاداس جوہری کا تعمیر کردہ تھا،[1] اب یہ دیکھا جا سکتا ہے، کہ اورنگزیب ۱۰۵۵ھ مین گجرات کا والی بن کر وہان گیا، اور ۱۰۵۶ھ مین ایک دوسرے اہم منصب پر بھیج دیا گیا، عبدالحمید لاہوری اور صاحب مرات احمدیہ لکھتے ہین، کہ گجرات مین اورنگزیب کا یہ پورا زمانہ یہان کے سرکشون کو زیر کرنے مین گذرا، اور اس کے اہتمام مین اس کو مزید فوج رکھنی پڑی، غیر معمولی انہماک سے اس نے سرکشون کو زیر کیا، اور شہنشاہ سے خراج تحسین وصول کیا،[2] اس لئے قدرۃً یہی سمجھا جائیگا، کہ اس مندر کی بربادی بھی انھی بغاوتون کے زیر اثر عمل مین آئی، بلکہ اس موقع پر نہ صرف ایک مندر بلکہ کئی مندر مسمار کئے گئے، جیسا کہ مرات احمدی مین عالمگیر کے فرمان مورخہ ۲۲ رجمادی الاول ۸ جلوس مطابق ۲۰ رنومبر ۱۶۶۵ء سے آشکارا ہے،[3] لیکن سر موصوف نے اس فرمان کو علحدہ حیثیت سے جگہ دیا ہے، اور بتخانون کے

[1] تاریخ اورنگزیب جلد ۳ صفحہ ۲۷۳ [2] بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ و ۵۱۰ و مرات احمدی ص ۲۳۲،
[3] مرات احمدی ص ۲۷۳ و ۲۷۵،

انہدام کے واقعات مین اضافہ کیا ہے،[1] حالانکہ اس فرمان مین گجرات کے باغیون کے انھی مندرون کا ذکر ہے، جو گجرات کی صوبہ داری کے زمانہ مین اس نے مسمار کرائے تھے، اور جن کو وہان کے باشندون نے دوبارہ تعمیر کرکے پوجا شروع کر دی تھی، عالمگیر نے اس فرمان کے ذریعہ انھی مندرون کو دوبارہ مسمار کرایا، چنانچہ مذکور ہے:-

"وہم چنین بعضے از ساکنان محال مرقوم بتخانہ ہارا کہ پیش از جلوس والا بموجب حکم معلی منہدم گردیدہ بود تعمیر نمودہ بتہا دران گذاشتہ پرستش می نمایند و مرتکب امور نامشروعہ میگردند لہٰذا الحکم جہان مطاع لازم الاتباع بکرامت صدور می پیوندد کہ .... بتخانہاے منہدمہ را الحال مرمت نمودہ اند ببنید ازند"[2]

سر موصوف نے اورنگزیب کی شاہزادگی کی مشق مین صرف گجرات ہی کے یہ واقعات پیش کئے ہین جن کی حقیقت اوپر پیش کی گئی، اسی طرح اگر ان کے تمام منتخب کئے ہوئے حوالون پر جو دورِ حکومت سے متعلق ہین نظر ڈالی جائے تو اسی قسم کے واقعات آشکارا ہون گے، لیکن یہ سطرین غیر ضروری طول پکڑ جائین گی، صحیح نتیجہ پر پہونچنے کے لئے عمومی طور پر صرف یہ دیکھ لینا کافی ہے، کہ عالمگیر کے عہد مین مندرون کے انہدام کے زیادہ تر واقعات جودھ پور، اودے پور اور کھنڈیلہ وغیرہ مین پیش آئے، اور یہی مقامات اس زمانہ مین بغاوتون کے اہم مرکز بنے ہوئے تھے،

پرانے ہندو معابد کا وجود اور ان پر عالمگیر کے اوقاف

اس کے برخلاف دوسری طرف دکن کی مثال ہمارے سامنے ہے، کہ وہان ۲۵ سال تک عالمگیر نے حکمرانی کی، لیکن کبھی کسی ایک بتخانہ کو بھی ہاتھ نہین لگایا، اور عہدِ قدیم سے اس وقت تک الورہ وغیرہ کی نادر یادگارین موجود ہین، پھر مختلف مقامون پر بکثرت فرامین ایسے پائے جاتے ہین، جن مین مطیع ہندو رعایا کے مندرون پر بڑی بڑی جاگیرین وقف کی گئی ہین، ابھی حال

[1] تاریخ اورنگزیب (سرکار) جلد ۳ [2] مرات احمدی ۲۷۳ و ۲۷۴،

مین شہر گیا کی مشہور عبادت گاہ بودھ گیا کے متعلق ایک فرمان کی عکسی تصویر گیا کے رسالہ ندیم کے بہار نمبر ۱۹۳۸ئ مین شائع ہوئی ہے، اور اس فرمان کی اصل نقل بودھ گیا کے پاس محفوظ ہے، اور وہ جاگیرین آج بھی اسی مندر کے قبضہ مین باقی ہین، اسی قسم کا دوسرا فرمان جو بنارس سے متعلق ہے رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل مین چھپ چکا ہے، اور اب بھی بکثرت پرانے ہندو معابد مین موجود ہین،

اسلامی حکومت کے حدود مین نئے بتخانے

(ج) مندرون کے انہدام کے سلسلہ مین تیسری بات یہ یاد رکھنے کی ہے، کہ اسلامی قانون کے رو سے اسلامی حکومت کے حدود مین جہان کسی نئے بتخانہ کی تعمیر قانوناً ممنوع ہے، وہان صلح و امن کے قیام کے بعد رعایا کے معتقدات سے تعرض کرنا بھی اسلام کے قانون کے خلاف ہے، اور انھین اپنے گھرون مین یا پہلے سے بنے ہوے معبدون مین اپنے طریق پر عبادت کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے، اور غیر مسلمون کی جو عبادتگاہین اسلامی فتح کے بعد پہلے کی تعمیر کی ہوئی موجود ہون، ان کو ان کے حال پر باقی رکھنا، اور ان عبادتگاہون کے مخالفون کے ہاتھون سے ان کا بچانا اسلامی حکومت کے فرائض مین داخل ہے،

اس لئے کسی اسلامی حکومت مین اگر کسی غیر مسلم کی کوئی نئی عبادتگاہ بغیر اجازت تعمیر ہو گی، تو اسلامی قانون کے مطابق وہ منہدم کر دیجائیگی، کیونکہ جو قومین اسلامی حکومت کو قبول کر لین گی، انھین اسلامی قانون کے مطابق ہی مسلمان حکمران سے اپنے تعلقات قائم کرنے ہون گے، اور قوانین کی پابندی کرنی پڑے گی، اسی بنا پر عالمگیر کے عہد مین بھی بعض ایسے نئے مندر ڈھائے گئے جو اس قانون کی زد مین آگئے تھے، چنانچہ عالمگیر کے عہد مین جو بتخانے مسمار کئے گئے، ان مین سے اکثر موقعون پر ان کے "نواحداث" ہونیکی تصریح موجود ہے، اور اس قانونِ اسلامی پر عملدرآمد صرف بدنام عالمگیر کے عہد ہی مین نہ تھا، بلکہ شاہجہان تک کے عہد مین موجود تھا، جس کے متعلق ہمارے غیر مسلم مورخین بھی حسن ظن رکھتے ہین، چنانچہ منتخب اللباب خوافی خان مین ۱۰۴۲ھ کے واقعات کے ضمن مین مذکور ہے:-

"از واقعہ صوبہ بہار بعرض رسید کہ ہفتاد و شش بتخانہ نواحداث مسمار و مصالح بنا مساجد شد"[1]

عالمگیر کے عہد مین پرانے مندرون کا احترام

اگر ایک طرف بعض نئے مندر ڈھائے گئے، تو دوسری طرف اس نے پرانے مندرون اور ان کے پروہتون کے حقوق کی حفاظت کے بھی فرمان جاری کئے، چنانچہ ۱۵ رجمادی الاخری ۱۰۶۹ھ کو بنارس کے ناظم ابو الحسن کے نام اس نے ایک فرمان جاری کیا تھا، جس کی عکسی تصویر کامریڈ (کلکتہ) مین شائع ہوئی تھی[2]، نیز کرنل ڈی سی فلٹ نے بھی انگلستان سے اس کو شائع کیا، اور اس کا ذکر مسٹر موصوف نے بھی اپنی تاریخ مین کیا ہے[3]، اس فرمان مین وہ بتصریح لکھتا ہے:-

"شریعت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گو نئے مندر نہیں بنائے جا سکتے مگر پرانے مندرون کو توڑا بھی نہین جا سکتا، ہمارے گوش گذار یہ خبر ہوئی ہے کہ بعض عمال از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اس کے آس پاس کے دوسرے مقامات کے ہندوؤن اور برہمنون پر جو قدیم بتخانون کے پروہت ہین، تشدد کرتے ہین، اور چاہتے ہین کہ برہمنون کو ان کی پروہتی سے الگ کر دین، جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہین ہو سکتا، کہ یہ بیچارے پریشان ہو کر مصیبت مین مبتلا ہو جائین، اس لئے تم (ابو الحسن) کو حکم دیا جاتا ہے، کہ اس فرمان کے پہونچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمھارے علاقہ کے برہمنون اور دوسرے ہندوؤن کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے، اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ پر اور اپنے منصبون پر قائم رہ کر اطمینان قلب کیساتھ ہماری دولت خداداد کے حق مین مصروف دعا رہے، اس باب مین تاکید مزید جانو،"[4]

---

[1] منتخب اللباب جلد ۱ ص ۴۷۲ تاریخ ہند (ہاشمی) جلد ۲ ص ۱۵۵ تاریخ اورنگزیب (سرکار) ج ۳ ص ۲۸۰،

[4] وقائع عالمگیری (دنی احمد) ص ۱۰۱،

جس عالمگیر کے قلم سے یہ فرمان صادر ہوا ہو، اس کے متعلق یہ باور کرانا کتنا بڑا ظلم ہو کہ اوس نے تمام صوبون کے ناظمون کو علی الاطلاق حکم دے دیا، کہ سب مندر ڈھا دیئے جائین، اور ہندوؤن کے سب مدرسے بند کر دیئے جائین!

مولانا شبلی کا شکوہ مؤلف مآثر عالمگیر سے

۳- سر جدوناتھ سرکار فرماتے ہین کہ مولانا شبلی نے اس کی کوئی وجہ نہین لکھی، کہ کیون اورنگزیب کے عہد کی ایسی سرکاری تاریخ کو قابلِ یقین نہ سمجھا جائے"

مولانا شبلی مرحوم نے تو خود اعتراف کیا ہو کہ "عالمگیر نامہ کا مسودہ خود عالمگیر کو دکھا لیا جاتا تھا"، اور "مآثر عالمگیری مستعد خان ساقی کی تصنیف ہے، جو عالمگیر کا عہدہ دار تھا، اور دس برس اول کے حالات اوس نے صرف عالمگیر نامہ کے حوالہ سے لکھے ہین، اور اسی کو مختصر کر دیا ہی"[1] البتہ مولانا مرحوم کو اس مورخ سے یہ شکوہ ضرور ہے کہ اس نے ۱۰۷۹ھ کے اس زیر بحث فرمان کو جس مین ناظمون کو مندرون کے ڈھانے کا حکم دیا گیا ہی، ایسے عمومی الفاظ مین لکھا ہو کہ بظاہر دھوکا ہوتا ہے، کہ عمومیت کے ساتھ پوری سلطنت مغلیہ کے ہندوؤن کے مدرسون اور مندرون کو ڈھانے کا حکم دیا گیا، گرچہ اس مورخ کی لکھی ہوئی عبارت کے پڑھنے کے بعد یہ آشکارا ہو جاتا ہے، کہ "کن وجوہ سے یہ حکم دیا گیا تھا، اور اسکی کیا غرض تھی"[2]

اب سر جادوناتھ سرکار جیسے فاضل روزگار مورخ کے مکتوب بالا مین زیج سے اُسی عبارت کو ثبوت مین پیش کرتے دیکھکر یہ کون کہہ سکتا ہی، کہ اس مورخ سے مولانائے مرحوم کا یہ شکوہ بیجا تھا،

[1] مقالات عالمگیر (مولانا شبلی) ص ۴۸، [2] ص ۴۶،

تاریخ اخلاقِ اسلام

اس مین اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہو، مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی ضخامت ۲۷۶ صفحے،

قیمت: عہ

"مینیجر"

کتاب اسلامی معاشیات کا ایک باب

از

مولٰنا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

(۶)

خالص دینی امور کے معاشی نتائج

صرف یہی نہین کہ معاشی جد وجہد اور دنیاوی کاروبار مین ہی اسلام نے دینی نتائج کے پیدا کرنے کی کوشش کی ہو، یا دنیا کو بھی وہ دین ہی کے لئے آباد کرانا چاہتا ہے، بلکہ اسلامی تعلیمات کے جن عناصر کے متعلق خیال کیا جاتا ہے، کہ وہ خالص دینی اور مذہبی عناصر ہین، اگر غور کیا جائے تو اونہین اُخروی منافع و ثمرات کے ساتھ ساتھ اسلام نے ان چیزون کو دنیوی و معاشی کامیابیون کا بھی ذریعہ اور بہ ...

ایک مغالطہ کا ازالہ

مین جو کچھ کہنا چاہتا ہون اسکی تفصیل سے پہلے کسی کو اس مغالطہ مین نہ مبتلا ہونا چاہئے کہ شاید میرا اشارہ اسلام کے خدائی فوجدارون کی ان فیلسوفیانہ تاویلون کی طرف ہے، جن کی تعبیر اس زمانہ مین عموماً "فلاسفی"[1] کے لفظ سے کیجاتی ہے، اور اسی بنیاد پر نماز کی فلاسفی، روزے کی فلاسفی، حج کی فلاسفی، اور خدا جانے کن کن چیزون کی فلاسفیون پر پہلے تو کانفرنس کے اسٹیج اور جلسون کے پنڈال ہی مین دھوان دھار تقریرین ہوتی تھین، لیکن بہ تدریج اب بڑھتے ہوئے جبہ و دستار اور منبر و محراب سے بھی یا حسرتا کہ انہی فلاسفیون کی آواز بازگشت آرہی ہے،

[1] فلاسفی کے لفظ پر حضرت حکیم الامۃ کا فقرہ یاد آیا، کسی تقریر مین ارشاد ہوا کہ پرانے مدرسون مین ہم نے فلسفہ کا نام سنا تھا، اب اس زمانہ مین فلاسفی کا چرچا سننے مین آیا، تو خیال گذرا کہ "فلسفہ" نر کی "فلاسفی" کوئی مادہ کیا پیدا ہوئی ہی،"

"الآخرۃ"، کا یقین جن سے چھین لیا گیا تھا، اگر "الدین" کو بھی وہ "الدنیا" بنانے پر مجبور ہوں، جن نتائج کا وعدہ "الآخرۃ" میں کیا گیا ہے، "اگر الاولیٰ" اور اسی "الحیٰوۃ الدنیا" میں ان کی نگاہیں آج ان ہی نتائج کو ڈھونڈھ رہی ہیں، تو ظاہر ہے کہ یہ ان کے "مبلغ علم" کا لازمی نتیجہ ہے، ذکر اللہ جو اقامت "صلوٰۃ" کا قرآنی مقصد ہے، جو اس ذکر اللہ کے فوائد سے اندھا بنایا جا چکا ہے، بتایا جائے کہ وہ بیچارہ اگر نماز کے قیام و قعود میں گرانی معدہ کی خفت کو اگر تلاش نہ کرے، تو اور کیا کرے، جس کے لئے "تقویٰ" اور "شکر" کے الفاظ بے معنی ہو چکے ہیں، وہ روزے کو جسمانی صحت کی ایک طبی تدبیر اگر قرار دے رہا ہو تو بتایا جائے کہ آخر اس کے لئے چارۂ کار رہ گیا ہے کیا؟ جس کی تنگ نگاہ میں موجودہ زندگی کی تنگیوں سے زیادہ انسانی حیات کی کوئی اور شکل سما نہیں سکتی وہ مسلمان ہونے کے دعوی کو آخر کس طرح نباہے گا، جب تک ان ساری چیزوں کو جن کا حوالہ اخروی دور وجود میں دیا گیا ہے، انھیں کسی نہ کسی صورت سے اسی زندگی میں ڈھونڈ کر نہ نکالے، "الدین" کو بھی "الدنیا" یا آسمان کو بھی جو زمین اس لئے بنا رہا ہے، کہ اس کا دل اسی "الحیٰوۃ الدنیا" سے راضی ہو چکا ہے، موت کے بعد اپنے آگے وہ کچھ نہیں پاتا، یا کچھ نہیں پانا چاہتا، اس کوتاہ قسمت حرمان نصیب بیچارے کو تو خیر معذور بھی قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن دین کے منادیوں "الآخرۃ" کے داعیوں کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے جب وہ بھی عصری ماحول سے متاثر ہو کر اسلام کے خالص لاہوتی عناصر، اور دینی ارکان کی فلسفی بیان کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں،

مجھے اس سے انکار نہیں ہے، کہ نماز و روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادتوں کے جو فوائد فلاسفی کے نام سے آج بیان کئے جا رہے ہیں، وہ ان عبادتوں پر مترتب نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکتے، اگرچہ سچ یہ ہے کہ کسی کو ورزش ہی کرنا اگر مقصود ہو تو بھلا نماز کی چند ہلکی ہلکی اٹھک بیٹھک سے غالباً اس کے لئے زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ ڈنڑ پیلے، مگدر ہلائے، ڈمبل کا کام کرے، یا طبی اغراض سے جو روزہ کو استعمال کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے مناسب ہوگا، کہ فاقہ کی ان صورتوں کو اختیار کرے جن کے درمیان میں بعض چیزوں کے

پینے اور استعمال کرنے کا مشورہ اطبا دیتے ہیں، مثلاً بیچ بیچ میں نمک آلودہ پانی کے چند گھونٹ بھی پیتا چلا جائے پھلوں کا رس بھی کبھی کبھی نوش جان کرے، اس کیلئے دینی اوقات کی پابندی فضول ہے، سحری اور افطار کے قیود سے ممکن ہے کہ ان جسمانی منافع سے محروم رہے جو طبی مشوروں کے فاقہ سے آدمی حاصل کر سکتا ہے،

مگر بالفرض اگر اسلامی عبادات پر یہ فوائد مرتب بھی ہوتے ہوں جب بھی ان فوائد کو ان عبادتوں کا ذاتی مقصود قرار دینا، صرف یہی نہیں، کہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے، یعنی قائل کے قول کی ایسی توجیہ ہے جس سے قائل خود راضی نہیں ہے، قرآن اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو مقاصد ان کے بیان کئے ہیں، یہ اس کے خلاف ہے، اور اسی لئے میرے نزدیک تو ایک حد تک اس قسم کی توجیہیں افترا علی اللہ و علی الرسول کے حدود تک پہونچ جاتی ہیں، یہ خدا پر اور اس کے رسول پر جھوٹ کے انتساب کی بے جا جرأت ہے،

یوں بھی بقول حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی[1] ان فلاسفیوں کی ایسی مثال ہے کہ عرق گلاب کا استعمال کوئی یہ بتائے کہ اس سے استنجا کیا جاتا ہے، اپنی ماہیت اور سیالیت کی وجہ سے ظاہر ہے، کہ جو عرق گلاب سے آب دست لے گا، بلاشبہہ اس کی نجاست کا تنقیہ ہو جائے گا، لیکن کیا عرق گلاب کا یہ صحیح استعمال اور اس کی یہ صحیح قیمت ہے، آم کی گٹھلی بونے والے سے اگر پوچھا جائے، کہ تم اسے کیوں بو رہے ہو، کیا یہ جواب اس کا صحیح ہوگا، کہ پتوں اور لکڑیوں کے لئے بو رہا ہوں تاکہ ایندھن میں وہ کام آئے، واقعہ یہ ہے کہ جو بھی آم کے درخت لگاتا ہے، اس کا اصلی مقصد تو آم کے پھل ہوتے ہیں، ضمناً اور ذیلاً لکڑی اور پتوں کا نفع بھی خود بخود حاصل ہو جاتا ہے، مولانا المعنوی فرماتے ہیں،

ہر کہ کارد قصدِ گندم بایدش   کاہ خود اندر تبع می آیدش

گیہوں کی کاشت کرنے والوں کا اصل مقصود تو گیہوں ہی ہوتا ہے، گھانس، بھوسہ تو ذیلی نتیجہ ہے جو گیہوں

[1] معارف:۔ یہ مضمون حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پہلے کا ہے،

کے طفیل مین حاصل ہی ہو جاتا ہے، یونہی اسلامی عبادات کی اصلی غرض تو وہی ہے جو قرآن وحدیث مین مذکور ہے، مثلاً نماز کے مقصد کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہی،

اقم الصلوٰۃ لذکری، (طٰہٰ ۱۴) قائم کرو نماز میری یاد کے لئے،

روزے کو فرض قرار دیتے ہوئے لعلکم تتقون (تاکہ تم تقوی حاصل کرو) لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) ارشاد ہوتا ہے، وغیرذلک من الامور، پھر ہو سکتا ہو کہ ان اغراض کے ساتھ ساتھ ذیلی طور پر کسی کو وہ منافع بھی حاصل ہو جائین جنھیں آج ان عبادات کی توجیہ مین پیش کیا جارہا ہی،

بہرحال اسلام کے خالص دینی و مذہبی عناصر مثلاً ایمان ویقین، توبہ واستغفار، صلوٰۃ وزکوٰۃ حج وصوم وغیرہ وغیرہ کے متعلق مین نے جو یہ دعویٰ کیا ہی، کہ ان خالص دینی چیزون سے بھی دنیوی فوائد اور ان مذہبی ارکان سے بھی معاشی منافع حاصل کرنے کا ایک پہلو اسلام مین پایا جاتا ہے، اس سے میری غرض وہ نہین ہو جسے اپنی طرف سے اسلام کے نادان دوست چست گواہون کی شکل مین نمودار ہو ہو کر اپنے نزدیک گویا ایک قسم کے ضعف اور سستی کا ازالہ اسلامی تعلیمات سے کر رہے ہین، جیسا کہ مین نے عرض کیا میرے نزدیک اس سے اسلام کی بنیاد استوار وچست نہین، بلکہ کمزور اور سست ہوتی جارہی ہے، آخر جب انھی اغراض کو آدمی دوسرے بہتر طریقون سے زیادہ بہتر شکلون مین حاصل کرسکتا ہے، جب وہ محلہ کی کمیٹیون سے نماز کی جماعت کا، اور سالانہ کانفرنسون سے عید وبقرعید کی نمازون کا نفع حاصل کرسکتا ہی، تو خواہ مخواہ ایک جدید عصری شکل کو چھوڑ کر ان ہی دلی اغراض کے لئے ان فرسودہ پرانی شکلون کے اختیار کرنے پر کیون اصرار کرے گا، جب عالمگیر موتمر کا انعقاد جنیوا اور کشمیر کے سبزہ زارون اور مرغزارون مین ممکن ہی، تو اسی کانفرنس کو وہ حجاز کے تپتے ہوئے، ریگستان اور چٹیل میدان میں منعقد کرکے شرکا، کی راہون مین رکاوٹ، ان کے آرام مین خواہ مخواہ خلل کیون پیدا کرے گا،

بہرحال مین جو کچھ کہنا چاہتا ہون، وہ کوئی میری ذاتی رائے یا میرے دماغ کا کوئی خود تراشیدہ

نتیجہ نہین ہے، بلکہ اسی کو اور صرف اسی کو پیش کر دینا چاہتا ہون جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود واضح الفاظ مین تصریح کی ہے، اس باب میں قرآنی آیات کا جو ذخیرہ ہے، سب کا نقل کرنا تو مشکل ہو مثلاً چند مشہور آیتون کا تذکرہ کرکے پوچھنا چاہتا ہون، کہ جو چیزین اسلام کے خالص دینی عناصر شمار ہوتی ہین، کیا ان آیتون مین انھی کو معاشی فوائد اور دنیوی منافع کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہین قرار دیا گیا ہی، مثلاً ارشاد ہوتا ہی،

ولوان اھل القریٰ آمنوا واتقوا اور یقیناً بستیون والے اگر مان لین، اور
لفتحنا علیھم برکات من السماء پارسائی اختیار کرین تو ضرور ہم کھولتے ان پر
والارض، (الاعراف ۹/۱۱) برکتون کو آسمان سے اور زمین سے،

جس کا بغیر کسی تاویل وتوجیہ کے صریح مطلب یہی ہے کہ آسمان وزمین کی برکتین جو ہمارے معاشی فوائد ہی کی دوسری تعبیر ہے، ہم کو ان کو ایمان وتقوی کی قوت سے بھی حاصل کر سکتے ہین، ان برکات سے انسانی زندگی کتنی شگفتہ، صاف وپاک اور ستھری ہو جاتی ہے، قرآن کی اصطلاح مین جس کا نام حیات طیبہ ہے، وعدہ کیا جاتا ہی ہر مرد اور عورت کو مخاطب کرکے کہ

من عمل صالحًا من ذکرٍ او انثیٰ و جو کوئی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ
ھو مؤمن فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ وہ ایمان والا ہو تو ضرور ہم اسے جیتا رکھین گے
(النحل ۱۴/۱۳) ستھری زندگی کے ساتھ،

"فلنحیینہ" کے لفظ مین لام اور مشدد نون سے وعدہ مین جتنی وثوقی وطاقت بھری گئی ہے، اس کا اندازہ وہی کرسکتے ہین، جو عربی زبان جانتے ہین، صاف صاف کھلے الفاظ مین اس وثقہ کا اعلان کیا جاتا ہی کہ

من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ جو اللہ سے ڈر کر دگی ہوتی بچیگا بنائیگا اللہ اسکے واسطے نکلنے
من حیث لا یحتسب، (الطلاق ۲۵) کی راہ اور روزی پہنچائیگا اسے ایسی جگہ سے جہاں سے اسے امید نہ ہو

کش مکش حیات کی دشواریون کو تقوی سے حل کیا جا سکتا ہے، اور اسی روزی یا رزق کو جس کے ذرائع کا پہلے سے وہم وگمان بھی نہ ہو، الغرض قرآن کی ایسی پیاری آیتین مثلاً

إنا لننصر رسلنا والذين آمنوا في الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد

ہم قطعاً مدد کرتے ہین اپنے رسولون کی اور ایمان والون کی اس حیات دنیا مین بھی اور اس دن بھی جب گواہیان قائم ہونگی،

یا

ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ان لا تخافوا ولا تحزنوا نحن اولياءكم في الحيوة الدنيا وفي الآخرة،

یقیناً جن لوگون نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہو پھر اس پر ڈٹ گئے، اترتے ہین ان پر فرشتے یہ لے کر کہ نہ ڈرو، اور نہ کڑھو، ہم تمھارے یار و پشت پناہ ہین دنیا کی زندگی مین بھی اور الآخرۃ مین بھی،

یا پیغمبرون کو جب اہل کفر نے وطن سے باہر کر دینے کی دھمکی دی تو قرآن مین ہو کہ

فاوحى اليهم ربهم لنهلكن الظالمين ولنسكننكم الارض من بعدهم ذلك لمن خاف مقامي وخاف وعيد،

(ابراہیم ۲)

پس پیغمبرون پر ان کے خدا نے وحی کی کہ ہم ظلم کرنے والون کو قطعاً برباد کر دین گے، اور ضرور بسائین گے ہم تمھین زمین مین اُن کے نیست و نابود ہونے کے بعد، یہ (وعدہ) اس کے لئے ہے جو میرے مقام سے ڈرا اور ڈرا میری دھمکی سے

ظاہر ہے جس زمین (الارض) مین خدا نے وحی کی وہ اسی دنیا ہی کی زندگی ہے، اعلان کیا گیا ہو کہ حق کے مقام اور خدا کی دھمکیون سے جو بھی ڈرے گا، اسی کو زمین مین بسایا جائے گا، خود مشہور آیت استخلاف

مین بھی جنت ہی نہین زمین مین بھی تمکن کا وعدہ ایمان والون سے کیا گیا ہو، بشرطیکہ وہ شرک نہ کرین، اور اللہ ہی کو پوجتے چلے جائین، قرآن ہی مین ضمانت دیجاتی ہے، کہ تقوی سے اس معاشی سہولت کو بھی جو چاہے حاصل کر سکتا ہو، بلکہ قرآن کی آیت

الذين آمنوا وكانوا يتقون لهم البشرى في الحيوة الدنيا وفي الآخرة لا تبديل لكلمات الله

(یونس ۷)

جو ایمان لائے اور ڈر کر گناہون سے بچا کرتے ہین، ان کے لئے بشارت ہے، "الحیوۃ الدنیا" مین بھی اور "الآخرۃ" مین بھی، اللہ کی باتون مین تبدیلی نہین ہو سکتی،

مین تو اسی ایمان اور تقوی کو اُخروی منافع کے ساتھ ساتھ دنیاوی کامیابیون کی بشارت کا ذریعہ قرار دے کر حق تعالی نے اس کو اپنا ایک ایسا کلمہ یا ایسی بات یا ایک ایسا قانون قرار دیا ہے، جو کبھی بدل نہین سکتا یعنی ایسی اٹل بات ہو جو اپنے مقررہ نتیجہ سے جدا نہین ہو سکتی، مطلب یہی ہوا کہ ایمان و تقوی کسی مین پایا جائے، اور اسکی زندگی ان نتائج سے محروم ہو ایسا نہین ہو سکتا، قرآن نے دوسری جگہ اسی مقصد کو اپنے اس مشہور فیصلہ کی صورت مین ادا کیا ہو،

ام حسب الذين اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذين آمنوا وعملوا الصلحت سواء محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون،

(جاثیہ ۲)

کیا خیال کر لیا ہے ان لوگون نے جو بدیون کو بٹور رہے ہین، کہ ہم بنائین گے ان کو ان لوگون کے مانند جو ایمان لائے، اور نیکیان کین، برابر ہو جائے گی ان کی زندگی اور ان کی موت، بڑا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہین،

یعنی ممات (موت)، ہی کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کے نتائج کو وابستہ نہ خیال کرنا چاہئے، بلکہ

مجاز زندگی، بھی ان لوگون کی جو ایمان وعمل صالح کے ساتھ جیتے ہین، ان لوگون کی زندگی سے بالکل جدا ہوجاتی ہے جو بجائے الصالحات کے "السیئات" (بدکرداریون) مین مبتلا ہین، پانی برسانے اور بادل بنانے کا ایک طریقہ تو وہ ہے جس کے متعلق سنتے ہین کہ آج یورپ و امریکہ مین تجربہ ہورہا ہے، اگرچہ تجربہ سے بات آگے نہین بڑھی ہے،[1]

لیکن اسی توبہ و استغفار کو جس کے متعلق شاید سمجھا جائے کہ قہر او رقہر کے بعد ان کے نتائج سامنے آئین گے، قرآن بارش برسانے، ابر لانے کے آلہ کی حیثیت سے استعمال کرنے کا اس آیت مین صراحۃً حکم دیتا ہے، پیغمبر نے اپنی امت سے کہا،

یا قوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ
یرسل السماء علیکم مدرارا و
یزدکم قوۃ الی قوتکم،
(ہود ۵)

اے میرے لوگ، آمرزش طلب کرو اپنے
مالک سے پھر پلٹو اسی کی طرف بھیجے گا وہ آسمانون
کو تم پر موسلادھار بارش کے ساتھ، اور بڑھائیگا
وہ تمھاری قوت مین قوت کو،

آج تو کوئی شاید اس تجربہ کے ماننے کے لئے بھی تیار نہ ہو، لیکن ہم کیا کرین، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح مین روایت کیا ہے کہ

---

[1] مگر دجال والی حدیثین اگر صحیح ہین، تو ہمین یہ باور کرنے مین تامل نہ ہونا چاہئے کہ کسی زمانہ مین آدمی اس تجربہ مین بھی کامیابی حاصل کریگا، آخر دجال بھی تو آدمی ہی ہوگا، وہ جہان چاہے گا بارش برسائے گا، صحیح حدیثون مین جب یہ موجود ہے تو اس کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ سائنس ترقی کرکے اس نقطہ تک نہ پہونچے گی، بلکہ ان حدیثون مین یہ بھی تو مذکور ہے کہ مردون کو بھی وہ زندہ کریگا، گویا قانون حیات سے واقف ہوجائیگا، مسافت کا مسئلہ جتنا اس زمانہ مین غیر اہم ہوتا جا رہا ہے، اس کو کیا اس کی تصدیق نہین ہوتی کہ کرۂ زمین کے ہر ملک ہر شہر، ہر گاؤن کا دورہ آدمی چالیس دن مین کرلینے پر اگر قادر ہوجائے، جیسا کہ دجال کے متعلق مروی ہے تو اس مین حیرت کی کیا بات ہے کون کہہ سکتا ہے کہ دجال ہی پر سائنس کے کمالات انکشافات کا آخری عروج ختم ہو

بینما رجل فی فلاۃ من الارض فسمع صوتا فی سحابۃ اسق حدیقۃ فلان فتنحی ذٰلک السحاب فافرغ مائہ فی حرۃ فاذا شرجۃ من تلک الشراج وقد استوعبت ذٰلک الماء کلہ فتتبع الماء فاذا رجل قائم فی حدیقۃ یحول الماء بمسحاتہ فقال یا عبد اللہ ما اسمک قال فلان الاسم الذی سمعہ من السحابۃ فقال عبد اللہ لم سالتنی عن اسمی قال سمعت صوتا فی السحاب الذی ھذا مائہ یقول اسق حدیقۃ فلان باسمک فما الذی تصنع فیھا قال اما اذا قلت ھذا فانی انظر الی ما یخرج منھا فاتصدق بثلثہ وآکل انا وعیالی ثلثہ وارد فیہ ثلثہ

. . . .

اچانک اس حال مین کہ ایک آدمی جارہا تھا کسی میدان مین کہ اس نے ابر کے ایک ٹکڑے سے آواز سنی، سیراب کرو باغ کو فلان شخص کے، آواز کے بعد دیکھا کہ بادل کا وہ ٹکڑا ایک کنارے کی طرف ہٹ گیا، اور برسا دیا اس نے پانی ایک چٹیل میدان مین پھر جبد نالیون مین سے ایک نالی مین سارا پانی سمٹ کر آگیا، اور ایک طرف بہنے لگا، (آواز سننے والے کا بیان ہے کہ) مین اس پانی کی روانی کے پیچھے پیچھے چلا گیا، دیکھتا ہون کہ ایک آدمی ایک باغ مین کھڑا اپنی کدالی سے پانی کو الٹ پلٹ رہا ہے، مین نے اس سے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے تیرا کیا نام ہے اس نے بتایا کہ فلان نام ہے، یہ وہی نام تھا جسے اوس نے ٹکڑہ ابر سے سنا تھا، تب باغ والے نے کہا اللہ کے بندے تم نے میرا نام کیون دریافت کیا، جواب مین اس نے کہا کہ جس ابر کا یہ پانی ہے اس سے مین نے یہ آواز سنی کہ سیراب کرو فلان کے باغ کو، یہ تمھارا ہی نام تھا، اب یہ بتاؤ کہ اس باغ کے ساتھ تم کرتے کیا ہو، تب باغ والے نے کہا کہ خیر جب تم نے

یہ بات سُنائی تو سنو! مین اس تمام پیداوار
کی جو باغ سے حاصل ہوتی ہے، اُس کی نگرانی
کرتا ہون، پھر ایک تہائی پیداوار کا تو صدقہ
کردیتا ہون، اور تہائی مین میرے اہل و عیال
کھاتے ہین، اور ایک تہائی کو پھر اسی باغ
مین واپس کردیتا ہون، (یعنی مصارف)

[illegible]

گو آب پاشی کے بے شمار تدابیر و وسائل ہین، قرآن کی رو سے اس کا ایک اہم ذریعہ توبہ و استغفار ہے، اور حدیث کی رو سے اسکی ایک کارگر تدبیر جس کی تصدیق تجربہ سے ہوچکی ہی، صدقہ ہی، اور یہی میری غرض تھی، کہ ایمان و تقویٰ توبہ و استغفار صدقہ و خیرات وغیرہ جو خالص دینی اشغال و اعمال ہین، اُخروی منافع کیساتھ ساتھ اسلام ہمین بتاتا ہی کہ ہمارے معاشی سود و بہبود دنیاوی فلاح و صلاح کے بھی وہ ذرائع اور اہم و موثر ذرائع ہین، اور یہ تو چند سرسری مثالین ہین، قرآن و حدیث پر جن کی تھوڑی بہت بھی نظر ہی، باوّل وہلہ یہ چیزین ان کے سامنے آسکتی ہین، اگر استیعاب کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہوسکتا ہی، وہی غار مین بند ہوجانے والے تین آدمیون کا جو طویل قصہ بخاری شریف مین ہے کیا یہ واقعہ نہین ہے کہ "الآخرة" مین نہین بلکہ "الدنیا" ہی مین اعمالِ صالحہ نے مشکلات سے اُنھیں نجات بخشی، مین نے اشارہ کیا ہی، اس پہلو سے روایات و آیات پر غور کیجئے، خود ہی باتین سمجھ مین آتی چلی جائین گی،

ان قرآنی محکمات اور نبوی ہدایات کے سوا یون بھی تو یہ سوچنے کی بات ہی، کہ اپنی معاشی ضرورتون اور سہولتون کے سلسلہ مین ہم جن چیزون کے محتاج ہین، جو انھین پیدا کررہا ہی، وہ نہین، بلکہ صرف جن راہون سے وہ پیدا ہورہی ہین، ان کے متعلق صحیح معلومات بہم پہونچا کر اسی کے مطابق عمل کا صحیح طریقہ اختیار کرنا حصول معاش کی اگر حکیمانہ (سائنٹفک) تدبیر ہے، تو غور کرنا چاہیے کہ انھی چیزون سے افادہ و استفادہ کے باب مین

قدرتی طور پر اس طریقۂ عمل کا اختیار کرنا ہمارے لئے کس درجہ ناگزیر ہے، جو علم و یقین کی اس روشنی کا اقتضا ہے جو خود ان چیزون کے خالق اور پیدا کرنے والے کے متعلق ہم اپنے اندر رکھتے ہین، مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہم سے باہر پیدا ہورہا ہے، اور جو قوتین اور طاقتین ہمارے اندر پیدا ہورہی ہین، سب جانتے ہین، کہ قرآن اُن کے متعلق صرف یہی علم نہین عطا کررہا ہے، کہ ان سب کی تخلیق اور ان سب کے عمل پیدایش کا تعلق حق تعالیٰ کی تنہا ذات مبارک اور صرف اسی کے ارادۂ قاہرہ سے ہے، بلکہ اس نے تو بار بار اس کا بھی اعلان کیا ہے کہ اس تخلیقی توحید کے علم و یقین کا نقش ہر اس فطرت پر کندہ اور کھدا ہوا ملے گا، جس سے یہ پوچھا جائے کہ ان سب کا پیدا کرنے والا کون ہے، قرآن کبھی اسی سوال کو یون دریافت کرنے کا حکم دیتا ہے،

وَلَئِن سَالتَهُم مَن خلق السّمٰوٰتِ والارض، (زمر، زخرف، لقمان)

اور اگر ان سے پوچھو گے کس نے پیدا کیا آسمانون اور زمین کو،

یعنی زمین و آسمان کے نظام کے متعلق اگر پوچھو گے کہ اس کو کس نے پیدا کیا، پھر خود خبر دیتا ہی،

لیقولنّ اللّٰہ

(جن سے پوچھا جائے گا، وہ جواب مین) قطعاً کہین گے کہ "اللّٰہ"

پھر اسی سوال کو ذرا وسعت دیکر یون دریافت کرایا جاتا ہی،

ولئن سالتهم من خلق السّماوات والارض و سخر الشمس والقمر (لقمان، زمر، عنکبوت)

اور اگر پوچھو گے اُن سے کس نے پیدا کیا آسمانون اور زمین کو، اور مسخر کیا آفتاب و ماہتاب کو،

یعنی اس نظام کی تخلیق ہی نہین، بلکہ آفتاب اور اسکی روشنی و حرارت سے اسی طرح ماہتاب اور اس کی روشنی سے جو فائدے پہنچائے جارہے ہین، یہ کون کررہا ہے، خبر دیتا ہی کہ جواب مین وہی،

لیقولن اللّٰہ

قطعاً وہ بھی کہین گے کہ اللّٰہ

اسی دائرہ کو اور کشادہ کر کے سوال کی صورت یہ قائم کی گئی ہے،

ولئن سألتھم من نزل من السّماء	اور اگر پوچھو گے اُن سے کس نے اُتارا آسمان
مآءً فاحیا بہ الارض بعد موتھا،	سے پانی، اور جلایا اس سے زمین کو اس
(عنکبوت پ۲۱)	کے مرجانے کے بعد،

یعنی صرف علوی اجرام کے منافع ہی نہین، بلکہ سمندرون سے ابخرے بنا کر پانی کا اڑانا، منجمد کر کے پھر اسی کو بارش کی شکل مین کھیتون اور باغون مین پہونچانا، مردہ زمین کو اس ذریعہ سے ہر سال نئی زندگی بخشنی یہ سارا معاشی کاروبار کون انجام دے رہا ہے، قرآن یقین دلاتا ہے کہ اس سوال کے جواب مین بھی وہی

لیقولن اللہ	قطعاً وہی کہین گے، کہ اللہ

اور آخر مین تو صاف صاف "الرزق" جو "معاشی فوائد" کی گویا قرآنی تعبیر ہے، اس کو بھی سوال کا جزو بنا کر یون پوچھا جاتا ہے،

قل من یرزقکم من السّماء والارض	پوچھو کہ کون روزی پہنچاتا ہے، تمھین آسمان
ومن یملك السمع والابصار ومن	سے اور زمین سے اور کون مالک ہو شنوائی
یخرج الحی من المیت ویخرج المیت	اور بینائیون کا، اور کون نکالتا ہے زندہ کو
من الحی ومن یدبر الامر،	مردہ سے، اور نکالتا ہو مردہ کو زندہ سے،
(یونس پ۱۱)	اور کون ٹھیک کرتا ہو کام کو،

یعنی آسمان وزمین کے موجودہ نظام اور ان کے باہمی تعلقات سے رزق (یا معاشی فوائد) کو کون پیدا کر رہا ہو، اور یہ تو باہر کا سوال ہوا، پھر جن اندرونی قوتون مثلاً بینائی و شنوائی کی اعانت سے آدمی جن چیزون کو حاصل کر رہا ہو، اور اس سے بھی آگے بڑھکر خود یہ حیات اور زندگی جو ہماری تمام اندرونی قوتون کا سرچشمہ اور منشاء ہے، دونون

کو ملا کر من یدبر الامر کا سوال جس کا ترجمہ ہو کہ ہر کام کو ٹھیک ٹھاک کر کے کون درست کر سکتا ہو، مطلب یہ ہو کہ اندر کی قوتون سے ہو یا باہر کی طاقتون سے ہر چھوٹے اور بڑے کاروبار کو سوال مین داخل کر کے قرآن دریافت کراتا ہو کہ یہ سب کس کے حکم اور ارادہ سے ہو رہا ہے، یہ سب کون کر رہا ہے، جواب کے متعلق پھر وہی ایک خبر کا اعلان کیا جاتا ہے،

لیقولن اللہ	(ان سارے سوالات کے جواب مین بھی) تو
	قطعاً یہی کہین گے کہ "اللہ"

یہ اقرار انسانی فطرت مین کس طرح گھر کئے ہوئے ہے، قرآن ہم کو اس ایمان و ایقان پر مجبور کرتا ہے، کہ سب کچھ اللہ کر رہا ہے، صرف یہی واقعہ نہین ہے، بلکہ یہ بھی واقعہ ہو کہ ہر فطرت کے خمیر مین اس واقعہ کا علم اور یقین بھی پیوستہ اور سرشتہ ہے، پھر جن راہون اور قدرت کے جن قوانین وضوابط کے تحت یہ چیزین پیدا ہو رہی ہین، جب ان کے متعلق صحیح معلومات فراہم کر کے اسی کے مطابق طریقۂ عمل کے اختیار کا نام حکیمانہ (سائنٹفک) طریقۂ عمل قرار دیا گیا ہو، تو جو پیدا کر رہا ہے، اسی سے ان پیداوارون کو حاصل کرنے کے لئے اس کی باتون کا ماننا، تاکہ ہماری مرضی پوری ہو، اسکی خلاف مرضی باتون سے بچنا، اپنی اپنی استطاعت و وسعت کی حد تک اس کی مرضی پر چلنا، غلطی سے ہٹ جانے کے بعد معافی مانگتے ہوئے پھر اسی کی مرضی کی طرف پلٹنا، اور ان تدبیرون کے ساتھ ساتھ جو کچھ وہ پیدا کر رہا ہے، گڑگڑا کر اوس سے مانگنا، جس کی دوسری تعبیر ایمان و عمل صالح تقوی توبہ و استغفار، دعا و الحاح وغیرہ کے الفاظ سے کیجاتی ہے، بتایا جائے کہ آخر کس وجہ سے حصول معاش کی یہ تدبیر صحیح حکیمانہ تدبیر نہین ہو، اگر عمل کا پہلا طریقہ علم کی صحیح روشنی مین اختیار کیا جائے تو کیا عمل کا دوسرا طریقہ جہل کی تاریکی مین اختیار کیا گیا ہے، اگر عمل کے پہلے طریقے پر علم اور مشاہدہ تحقیق و تجربہ کی قوتین ہمین مجبور کرتی ہین، تو کیا دوسرے طریقہ پر بھی وہی یقین وہی علم ہمین نہین مجبور کرے گا، جس کے متعلق بتایا جا چکا کہ قرآن انسانی جبلت کا اُسے لازوال علم قرار دیتا ہے، کیسی عجیب بات ہے، کہ قرآن سے ہم اس

عم کو بھی حاصل کرتے ہین، کہ

قُلِ اللّٰھُمَّ مالکَ المُلکِ تُؤتی المُلکَ
من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء
وتعز من تشاء وتذل من تشاء
بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر
تولج اللیل فی النھار وتولج النھار
فی اللیل وتخرج الحی من المیت و
تخرج المیت من الحی وترزق من
تشاء بغیر حساب، (آل عمران ۳)

کہو اے اللہ آپ ہی مالک ہین ملک کے دیتے
ہین جسے آپ چاہتے ہین، اور چھین لیتے ہین
جس سے چاہتے ہین، آبرو بخشتے ہین جسے چاہتے
ہین، اور رسوا کرتے ہین جسے چاہتے ہین، "الخیر"
(ساری بھلائیان) آپ ہی کے ہاتھ مین ہے، بلا شبہہ
آپ ہر چیز پر قادر ہین، آپ ہی رات کو دن مین
گم کرتے ہین، اور دن کو رات مین گم کرتے ہین
نکالتے ہین آپ ہی زندہ کو مردے سے، اور
نکالتے ہین مردہ کو زندہ سے، اور روزی پہنچاتے
ہین جسے چاہتے ہین حساب کے بغیر،

جس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے، کہ دنیا کا بڑے سے بڑا کام مثلاً حصول سلطنت وحکومت، اور چھوٹے سے چھوٹا کام مثلاً روز کی روزی، جس مین چیونٹیاں اور کیڑے مکوڑے بھی ہمارے شریک ہین، کام کے یہ دونون سلسلے براہ راست حق تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے ساتھ بندھے ہوئے ہین، اور کس طرح بندھے ہوئے ہین:۔

مَا یَفتَحِ اللّٰہُ للناس من رحمۃ فلا ممسک
لھا وما یمسک فلا مرسل لہ
من بعدہ، (الفاطر ۳۵)

جو کچھ کھولتا ہے خدا لوگون کے لئے رحمت
(سرچشمہ سے) تو نہین ہے کوئی روکنے والا
اس کا، اور جسے روک دے خدا تو نہین ہے
بھیجنے والا اس رحمت کا اس کے بعد کوئی،

(معارف)

یعنی اپنی رحمت کے جس دروازے کو کسی پر وا کر دے، آسمان وزمین کی کوئی دوسری قوت پھر اُسے بند نہین کرسکتی، اور جسے بند کر دے کوئی دوسرا پھر اسے کسی طرح کسی حال مین کھول نہین سکتا، جب "الخیر" (ہر وہ چیز جو ہمین بھلی معلوم ہوتی ہو اور جس سے ہم نفع اٹھا سکتے ہون) سب کی سب اسی کی مٹھی اور ید مین بند ہے، تو بتایا جائے کہ اسی "الخیر" کا طالب اس کی طلب مین قرآن کے حکم

فابتغوا عند اللہ الرزق، (عنکبوت ۲) — پس ڈھونڈو اللہ کے پاس روزی کو

اور

واسئلوا اللہ من فضلہ، (النساء ۵) — اور مانگو اللہ سے اس کے فضل کو

کی تعمیل کرتے ہوئے جس کے پاس "الخیر" ہے، اسی سے اگر اس "الخیر" کو مانگتا ہے، تو بتایا جائے عقل ودانش حکمت ودانائی کا بھی اس کے سوا اور کیا اقتضا ہو سکتا ہے، میرے نزدیک تو معاشی جد وجہد کے سلسلہ مین عمل کا پہلا طریقہ اگر کوئی عقلی تدبیر ہے، تو دوسرا طریقہ اس سے بھی زیادہ عقلی تدبیر کہلانے کا مستحق ہے،

دعائی تدبیر کی کامیابی وناکامی

ناکامیون کے ہزار ہا تجربات کے بعد بھی جب آدمی کے لئے تدبیر کے پہلے شعبہ کا ترک کرنا بدعقلی کی دلیل ہے، تو محض اس لئے کہ دعائین بھی کبھی قبول نہین ہوتین تدبیر کے اس طریقہ سے محض اسی لئے بے تعلق ہو جانا آخر نادانی وحماقت کیون نہ ہو، اپنے اختیار پر بھی جنھین اختیار نہین ہے، اور اپنا اقتدار بھی جن کے اقتدار مین نہین ہے، جب ان ہی مین کسی کے اندر لوگون کو اختیار واقتدار کا کچھ سُراغ ملتا ہے، مثلاً کسی حکومت کا کوئی عہدہ دار یا حاکم ہو جاتا ہے، بلکہ خود بے چارے سلاطین کو بھی کب اپنے نمائشی اختیار پر کامل اختیار ہوتا ہے، بہر حال اسی نمائشی اختیار واقتدار کے مظاہر کو دیکھ کر جب دیکھا جاتا ہے، کہ مسلسل نامنظوریون کے باوجود ان کی بارگاہون مین درخواستون کا تانتا نہین ٹوٹتا، ہزار دفعہ جس کا معروضہ مسترد ہو چکتا ہے، وہ ایک ہزار ایک کے بعد منظوری کی توقع کرتے ہوئے درخواست دینے سے نہین گھبراتا، پھر سمجھ مین نہین آتا ہے کہ جو محکوم نہین حاکم ہے تابع نہین متبوع ہے،

جاہل نہین عالم ہے، صاف صاف لفظون مین کہئے کہ جو بندہ نہین خدا ہے، اگر کسی بندہ کی درخواست کو کسی وقت نہین قبول فرماتا، یا جاہل کے جہل کا اپنے علم کو تابع نہین بناتا، تو یہ کیسے باور کر لیا جاتا ہے، کہ جس کے اختیار مین سارے جہان کے اختیارات اور جس کے اقتدار کے ساتھ سارے جہان کے اقتدارات اٹکے ہوئے ہین، بندے کے کسی مطالبہ کا پورا کرنا اس کے اختیار سے العیاذ باللہ خارج ہو،

کس قدر عجب ہو کہ اپنی رحمت سے مایوس ہونے والون کو جو کافر قرار دیتا ہے، اللہ کے ان بندون سے جو خدا سے نہین، بلکہ خدا کے بندون سے کبھی مایوس نہین ہوتے، اُن سے کون پوچھے، کہ آخر کس بنیاد پر تم نے اپنے خالق سے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے مایوس بنا لیا، خدا نے تو کہا ہو کہ

لا ییئس من رحمۃ اللہ الا القوم الکافرون،	نہین ناامید ہوتا کوئی اللہ کی رحمت سے مگر جو کفر والے ہین،

جس کا یہی مطلب ہے کہ کافر ہوے بغیر کوئی حق تعالیٰ کی رحمتون سے مایوس نہین ہو سکتا، لیکن لوگ ہین جو ایمان و اسلام کے دعوی کے بعد بھی اس کی رحمتون سے ناامید ہو کر دعا و استغفار کو مشکلات حیات کے حل کی راہ مین العیاذ باللہ جھوٹی طفل تسلی تک قرار دینے کی جسارت کر جاتے ہین، علانیہ کہتے ہین، کہ دعاؤن سے کیا ہوتا ہو، جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہے گا، زیادہ سے زیادہ اس کا اگر کچھ فائدہ ہو سکتا ہے، تو یہی کہ اضطراب و بے چینی کی حالت مین آدمی کو اس سے گونہ قوت اور اطمینان کی خنکی مل جاتی ہے، اور یہ خیال کس بنیاد پر قائم کر لیا گیا، محض اس لئے کہ دعا کی گئی تھی، چونکہ قبول نہین ہوئی، اس لئے حصول مقاصد کی اس تدبیر کی تاثیر ہی کا اونھون نے انکار کر دیا، جو بات جس وقت کہی جائے، اسی وقت اسی شکل مین پوری ہو جائے دعا کا مطلب جنھون نے یہ سمجھ رکھا ہے، مین نہین سمجھتا کہ اونھون نے خدا کو خدا باقی بھی رکھا، یا اس کو کاربرآری کی کوئی ایسی مشین یا آلہ فرض کر لیا جس کا کھٹکا ان کے دل و دماغ اور زبانون مین لگا ہوا ہے، گویا وہ چاہتے ہین کہ ادھر اس کھٹکے کو دبایا جائے، اور چاہتے کہ اُن کا آلہ اُن کے مطلوب کو ان کے سامنے حاضر کر دے

بعضون کو قرآن کی آیتون

اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (البقرہ ۲۳)	جواب دیتا ہون مین پکار کا پکارنے والا جب پکارتا ہے وہ مجھے،

یا

ادعونی استجب لکم (المومن ۲۴)	پکارو مجھے مین جواب دونگا تمھین،

وغیرہ سے بھی شاید مغالطہ ہوا، "استجابت" "واجابت" کا ترجمہ بجاے جواب دینے کے اونھون نے جو مانگا جائے اس کا قبول کرنا خدا جانے کس لغت کی بنیاد پر فرض کر لیا، حالانکہ پتھرون اور بتون کے پوجنے والون کے مقابلہ مین یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ ان کے بہرے گونگے مردہ بے جان معبود جب اپنے پکارنے والون کی پکار اور دہائی کو سنتے ہی نہین تو جواب کیا دین گے، لیکن جس کی ذات بینا و شنوا حی و قیوم، سب کو محیط، سب کے ساتھ سب کے قریب ہے، وہ ہر ایک پکارنے والے کو قطعاً جواب دیتا ہے، لیکن پکارنے والے جو کچھ مانگتے ہین آیا ہے وہ بھی دیتا ہو، یہ مطلب ان آیتون کا کہان سے لیا گیا، کم از کم مین تو اس سے ناواقف ہون، آخر جس قرآن مین یہ آیتین ہین اُسی مین تو ہے، کہ معمولی ہستیان نہین، نوح و ابراہیم جیسے اولوالعزم پیغمبرون کی بعض درخواستون کے قبول کرنے سے حق تعالیٰ نے انکار فرمایا، خود سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہو کہ منافقین کی مغفرت کی درخواست اگر آپ ستر بار بھی پیش کرین گے، تو اُسے منظور نہیں کر سکتا، حدیثون مین بھی ہے، کہ مسلمانون کے باہمی جنگ و قتال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اس سے ان کو محفوظ رکھا جائے لیکن نامنظور ہوئی، سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت و فتح کا وعدہ ہو چکا تھا، مگر باوجود وعدہ کے محض اس لئے کہ خدا خدا ہے بندہ نہین ہے، سب اس کے محتاج ہین، وہ سب سے غنی ہے، کیا معلوم کہ ایفاے عہد کب کیا جائے گا، کس حال مین کیا جائے گا، خدا کے وعدون پر سب سے زیادہ بھروسہ کرنے والی ہستی کو میدان بدر مین دیکھا گیا تھا، کہ سر خاک پر پڑا ہوا ہے، حضرت

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ

قاتلت یوم بدر شیئاً من قتال ثم جئت فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی سجودہ یاحی یاقیوم فرجعت فقاتلت ثم جئت فوجدتہ کذلک، (فتح الباری)

لڑا مین بدر کے دن ایک لڑائی پھر آیا تو کیا دیکھتا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں (اے زندہ، اے تھامنے والا سارے جہان کا یعنی) یا حیُّ یا قیوم فرما رہے ہین، پس مین پلٹا، اور لڑا پھر آیا تو پاتا ہوں حضورؐ کو اسی حال مین،

سجدہ سے سر اٹھایا جاتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں، تن بدن کا ہوش باقی نہین ہے، مونڈھے سے چادر مبارک ڈھلک کر گر گئی ہے، لیکن کامل انہماک و استغراق، دل کی ساری قوت و توجہ، اصرار و الحاح کے ساتھ زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری ہین،

اللھم انی انشدک عھدک و وعدک اللھم ان شئت لم تعبد اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض (بخاری و مسلم فی صحاح)

یا اللہ آپ کو یاد دلاتا ہون اپنا عہد اور اپنا وعدہ، اے اللہ اگر چاہتے ہین آپ کہ نہ پوجے جائین تو اے اللہ اگر تباہ ہو گئی یہ ٹکڑی اسلام والون کی تو نہ پوجے جائینگے آپ زمین مین،

وعدہ کے باوجود رب اور رب کی نصرت کو جس بے کلی اور اضطراب سے آج ڈھونڈھا جا رہا ہے، کہ بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے

ما سمعنا مناشداً ینشد ضالۃ اشد مناشدۃ من محمد لربہ، (فتح الباری)

ہم نے نہیں سنا کوئی ڈھونڈھنے والا اپنی گم گشتہ چیز کو ڈھونڈھ رہا ہو، اس طرح جس طرح محمد اپنے رب کو ڈھونڈھ رہے تھے، (یعنی اس کی نصرت کو تلاش کر رہے تھے)

مالک کے قدمون پر اس لوٹنے والے کو دیکھ دیکھ دوسرون سے نہین رہا جاتا اور جیسا کہ بخاری مین ہے

فاخذ ابوبکر بیدہ وقال حسبک،

تب ابوبکرؓ نے آپ کے دستِ مبارک کو پکڑ لیا، اور کہا کہ بس ہو آپ کے لئے،

اسی کی تفصیل مسلم مین ہے کہ

فاتاہ ابوبکر فاخذ رداءہ فالقاہ علی منکبہ ثم التزمہ من ورائہ وقال یا نبی اللہ فانہ سینجز لک وعدک،

تب آئے ابوبکرؓ اور پکڑ لی چادر آپ کی اور ڈالدیا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے پر، پھر لپٹ گئے ابوبکرؓ پیچھے سے اور کہہ رہے تھے، اے اللہ کے نبی قریب ہے کہ پورا کیا جائے آپکے ساتھ آپ کا وعدہ،

وعدہ جو کیا گیا تھا اس کو تو بہر حال پورا ہونا تھا، اور وہ پورا ہو کر رہا، لیکن حصول مقاصد کی اس کلی تدبیر کی تعلیم ہمین جس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے، ان کے اس نمونے مین ان لوگون کے لئے بھی عبرت ہے، جو سرے سے دعائی تاثیرون سے مایوس ہو کر اُن کے منکر ہو بیٹھے ہین، اور بصیرت ہے ان کے لئے بھی جو استجابت" کا ترجمہ جو کچھ مانگا جاتا ہے، وہ اسی وقت دیدیا جاتا ہے"، اپنی طرف سے کر کے اپنی ہر دو رکعت کے بعد کی دعاؤن پر امید لگا بیٹھتے ہین، کہ جو کچھ مانگا گیا ہے، کارکنانِ قضا و قدر اُسے آسمانون سے لئے آ رہے ہون گے، اگر یہ معاملہ اتنا آسان تھا، تو اس تدبیر کے سب سے بڑے ماہر اور معلم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار و الحاح اور ان الفاظ کے کیا معنی ہو سکتے ہین، جو اس حدیث مین ہم پڑھتے ہین، ہمین اپنی معاشی ضرورتون مین بھی دعائی طریقۂ عمل کو پوری قوت کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے، اس دعوی کے

ثبوت مین چونکہ واقعاتِ بدر کے اس حصہ سے روشنی پڑتی ہے، اس لئے قصداً مین نے اس چیز کا تفصیل سے تذکرہ کیا، خصوصاً اس لئے بھی کہ بدر کی ان دعاؤن مین جو کچھ مانگا جارہا تھا، اگرچہ اصل مقصود تو دین ہی کا غلبہ اور حق وصداقت کی سربلندی ہی تھی، لیکن جس معاشی دعار کا ذکر ابتدائی بیان مین آیا تھا، یعنی مسلمانون کو پیش کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ

"پروردگار! یہ بھوکے ہین، انھین سیر فرما، یہ پیادہ پا ہین، انھیں سواری دے، یہ ننگے ہین، انھیں کپڑے پہنا"

اہلِ علم جانتے ہین، کہ اس کا تعلق بھی جنگِ بدر ہی سے ہے، یعنی بدر کے میدان مین کفار کے مقابلہ مین جب مسلمان صف آرائی کر رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا فرمائی تھی، تو پھر دین کے ساتھ اس دعا مین دنیا کا پہلو بھی نہ تھا؟

(باقی)

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہی جس سے اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص عالمگیر کے انشار اور اس کی تاریخ کے ماخذ، اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط ورقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے، قیمت: للعہ ر، ۳۹ صفحے

رقعاتِ عالمگیر

اورنگزیب عالمگیر کے خطوط ورقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم ادب، سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: [illegible] ضخامت: [illegible] صفحے

"مینجر"

استفسار وجواب

سلطان شہاب الدین (معزالدین) محمد بن سام غوری کے مقتل ومرقد پر کچھ اور روشنی

(۱)

از جناب عبد اللہ صاحب چغتائی

معارف جون ۴۳ء (ص ۴۴۴ تا ص ۴۶۰) مین ایک مفید اور طویل مقالہ بعنوان "سلطان شہاب الدین کے قاتل، مقتل، مرقد" کے مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا، جو دراصل ایک استفسار کے جواب مین ادارۂ معارف کی طرف سے علمی رنگ مین جواب ہی، اور جس احسن طریق سے ادارہ نے فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے، وہ ضرور قابلِ ستایش ہے، افسوس اس امر کا ہے کہ جن اسلامی ادارون کا یہ دراصل فرض ہے، وہ بالکل خوابِ غفلت مین سو ہی نہین رہے بلکہ اپنے دل ودماغ کو اغیار کی نذر کر چکے ہین[1] بہرحال مجھے بعض بعض

---

[1] میری مراد یہان مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبۂ تاریخ سے ہی، قارئین کرام معارف کو چاہئے کہ ان کا جرنل اوف دی علی گڈھ ہسٹاریکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا شمارہ ۲-۳ (جلد اول) ص ۳ ضرور ملاحظہ کرین، جہان اسی سلطان شہید کے متعلق کیا الفاظ لکھے گئے ہین، اور کس قدر اپنی تاریخ دانی کا ثبوت دیا گیا ہی، بقول شخصے "چون کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" اسی خاکِ پاک سے پیشتر کتب سلطان محمود غزنہ، امیر خسرو، خزائن الفتوح کا ترجمہ شائع

مقام پر اس ادارہ کے نوٹ پر کسی قدر مزید توضیح کی ضرورت محسوس ہوئی، اسلامی تاریخ ہند مین یہی ایک اہم دور ہے، جب کہ صحیح طور پر اسلامی سلطنت ہند کے قیام کا آغاز ہوتا ہے، جس کا تمام سہرا سلطان شہید معز الدین محمد بن سام کے سر ہے، جس نے اپنے پیشرو سلطان محمود غزنہ کی فتوحات کو مزید قوی بنیادون پر مستحکم کر کے اسلامی سلطنتِ ہند کا قیام کیا جو ابھی تک نہین ہوا تھا،

سلطان شہاب الدین غوری کا نام عام طور پر ہندوستانی فتوحات کے ضمن مین سلطان معز الدین محمد ابن سام غوری بیان ہوا ہے، اور یہی بواسطہ طبقات ناصری، کتبات اور سکوکات مین ہمین میسر آتا ہے، بلکہ آپ کے جانشین سلاطین کو بقول منہاج سراج مصنف طبقات ناصری نے "سلاطین معزیہ" سے تعبیر کیا ہے[۱] اس سے یہ لازم نہین آتا، کہ اول الذکر نام[۲] سے آپ کو پکارتے ہی نہین تھے، بلکہ ہر دو صحیح ہین،

یہ متفق علیہ امر ہے کہ سلطان معز الدین کو غزنین جاتے ہوئے دریاے جہلم کے کنارے رات کے وقت

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۹) ہو گو کہان تک ہماری صحیح تاریخ کی ترجمانی کر چکی ہین، ہم اپنی بدبختی کی شکایت بھی اگر کرین تو کس سے کرین،

۱؎ معارف کے متذکرہ مضمون ص ۵۵۴ پر ادارہ کو سہو ہو گیا ہے، در اصل طبقاتِ ناصری سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التتمش کے نام پر معنون ہے، نہ کہ ناصر الدین قباچہ کے نام پر جیسا کہ بیان ہو گیا ہے ملاحظہ ہو متن طبقات ص ۱۰۲ و ص ۱۱۳ و ص ۱۳۷،

۲؎ معارف سلطان کا نام محمد ہے، معز الدین اور شہاب الدین نام نہین، دونون لقب ہین، جو کثرتِ استعمال سے اجزاے نام بن گئے ہین، مورخین اس سلطان کو ان دونون لقب سے یاد کرتے ہین، سلطان شہاب الدین کا یہ لقب ۵۶۹ھ مین فتح غزنین کے بعد وہان کی حکومت سپرد ہوتے وقت سلطان غیاث الدین کی جانب سے اس کو عطا کیا گیا تھا، بدایونی مین ہے "سلطان غیاث الدین آن ولایت (غزنین) را در حیز تسخیر آوردہ... و سلطان معز الدین محمد را لقب سلطان شہاب الدین دادہ" (منتخب التواریخ جلد ۱ ص ۴۷) اور معز الدین کا لقب اس سے پہلے ایک دوسرے موقع پر اسکو مل چکا تھا۔

"س"

اس کے خیمہ مین دمیک گاؤن مین شہید کر دیا گیا، اور اس کی نعش کو اس کے ہمراہیون نے منزلِ مقصود غزنین پہونچا دیا[۱]، اس واقعہ کے قریب ڈیڑھ سو سال بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ مین دہلی کی سلطنت پر متمکن ہوا، تو اس نے اپنے عہد کے متعلق ایک مفید یادداشت بعنوان "فتوحاتِ فیروز شاہی" مرتب کی، جو شائع ہو چکی ہے، اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، اس مین جہان دہلی کی عمارات کا ذکر ہے، وہان وہ لکھتا ہے :-

"و مقبرہ سلطان معز الدین سام را کہ دیوار غربی و تختہ ہاے او کہنہ و فرسودہ شدہ بود، ہم نو کردہ آمد و بجاے ... درہا و طاقہا زینہا از چوب صندل ساختہ[۲]"

اس تحریر کی موجودگی مین انسان ذرا تامل کرنے لگتا ہے، جہان تک راقم کے ذاتی علم کا تعلق ہے، ابھی تک کوئی ایسی تحریر نظر سے نہین گذری کہ جس مین یہ پایا جائے، کہ سلطان معز الدین محمد بن سام کا مزار غزنہ مین ہے[۳]، یا کسی نے اپنے شاہدات کی بنا پر اس کو بیان کیا ہو، جیسا کہ ہم اکثر سلطان محمود غزنہ و بابر بادشاہ

۱؎ طبقات ص ۱۲۳ و ۱۲۴ و ۱۲۸، ۲؎ متن فتوحات ص ۱۳، ترجمہ ایلیٹ ص ۳۸۳ ۳؎ بعض کو مقبرہ سلطان معز الدین بہرام شاہ بن سلطان شمس الدین التتمش سے التباس نہ ہو جائے، اس کا ذکر فتوحات مین الگ ص ۱۴ مین ہے و ترجمہ ایلیٹ ایضاً اس کے لئے آثار الصنادید ملاحظہ ہو ص ۲۶، باب سوم مطبوعہ کانپور ۱۹۰۴ء،

۴؎ معارف فتوحات فیروزی کی یہ عبارت شہاب الدین کے مرقد پر گفتگو کرنے مین بلاشبہ نظر انداز کرنے کے لائق نہین، لائق مقالہ نگار شکریہ کے مستحق ہین، کہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی نگاہون کے سامنے لے آئے، شہاب الدین کی لاش کے متعلق فرشتہ نے تصریح کی ہے، کہ وہ غزنین لیجا کر اس کٹہرے مین دفن کی گئی جس کو اُس نے اپنی لڑکی کے لئے بنایا تھا، چنانچہ لکھتا ہے :-

"القصہ بتاریخ بیست و دوم شہر شعبان نعش سلطان شہاب الدین را بغزنین رسانیدہ در حظیرہ کہ برائے دختر خود ساختہ بود دفن کردند" (ص ۶۰)

وغیرہ کے متعلق پڑھتے اور سنتے ہیں، کہ ان کے مزار ادھر موجود ہیں، اگر کسی صاحب کو علم ہو تو روشنی ڈالیں،
مزید برآن یہاں یہ بھی دلچسپی پیدا کرے گا کہ چند سال ہوئے خان بہادر قبلہ مولوی محمد شفیع صاحب مدظلہ
العالی سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے چند کتبات از سندھ طبع کئے، ان میں قابلِ ذکر ایک کتبہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۱) اس لئے اس میں کسی شبہہ کی گنجایش نہیں کہ اسکی تدفین غزنین میں عمل میں آئی، اب فتوحات فیروز
شاہی کی مذکورۂ بالا عبارت کے دیکھنے کے بعد دو ہی صورتیں سامنے آسکتی ہیں، یا تو جیسا کہ مقالہ نگار نے گمان ظاہر کیا ہو کہ
تقریباً ڈیڑھ سو برس کے اندر اس کے کسی قدردان کے ہاتھوں اس کی لاش غزنین سے منتقل کرکے ہندوستان لائی
گئی ہو، یا پھر یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ جب سلطان شہاب الدین نے ۵۸۸ھ میں دلی فتح کی، اس کے بعد ۵۹۲ھ میں
جب اوس نے دلی میں جامع مسجد "قوۃ الاسلام" تعمیر کی، تو اوس کو ہندوستان سے جو دلی تعلق پیدا ہوچکا تھا،
اس کے باعث اوس نے اپنی ابدی خوابگاہ کے لئے بھی اسی سرزمین کو پسند کیا ہو، اور جیسا کہ بعض سلاطین کرتے رہے
ہیں، اوس نے بھی اپنی زندگی میں اس مسجد کے پہلو میں اپنے مقبرہ کے لئے عمارت تعمیر کرالی ہو، چنانچہ فتوحات فیروزشاہی
میں اس مقبرہ کا ذکر اسکی تعمیر کردہ "مسجد جامع" اور اس کے "مینار" کے درمیان آیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ مقبرہ کی یہ عمارت
بھی اسی کے آس پاس ہوگی،

مقالہ نگار کا یہ بیان صحیح ہے کہ موجودہ زمانہ کے سیاحوں میں سے کسی نے شاید ہی اپنا مشاہدہ بیان کیا ہو کہ اس
نے غزنین میں اس سلطان کے مزار کی زیارت کی ہے، ابھی حال میں حضرۃ الاستاذ مولنا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی مدظلہ نے
اپنے سفر غزنین کے مشاہدات معارف بابت ماہ مئی ۱۹۳۴ء میں شائع فرمائے تھے حضرت موصوف کا یہ سفرنامہ بھی
غزنین میں سلطان شہاب الدین کے مزار کے موجود ہونے کے ذکر سے خالی ہے، اور اس سفرنامہ کے مطالعہ سے معلوم
ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قدیم غزنین کا وجود خاک کے ایک تودہ سے زیادہ باقی نہیں، صرف امیر حبیب اللہ خان کی
توجہ فرمائی سے سلطان محمود سبکتگین، اور چند دیگر مشاہیر کے مقبروں پر کتبے نصب ہوسکے ہیں، ورنہ اب دراصل پرانے
غزنین کا نام و نشان بھی نہیں باقی رہا، اس تصریح سے کم سے کم یہ یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے، کہ سلطان شہاب الدین

قلعہ سہوان کا ہی[۱] جو دراصل سلطان محمد تغلق کے مزار کا ہے جس کا انتقال بقول تاریخ فیروز شاہی ۲۱ محرم ۷۵۲ھ
ٹھٹھہ سے ۱۴ کوس پر دریائے سندھ کے کنارے ہوا[۲]، اور محض تاریخ مبارک شاہی سے اتنا ملتا ہے، کہ سلطان
فیروز شاہ ۲۳ محرم ۷۵۲ھ کو دریائے سندھ کے کنارے تخت نشین ہوا، اور دوسرے روز دہلی کے ارادہ سے
کوچ کیا، اور تابوت سلطان محمد کو ہاتھی پر رکھکر اور اس پر چتر لگا کر دار الملک دہلی کی طرف روانہ ہوا[۳]، ہمیں بھی
یہی علم ہے کہ سلطان محمد تغلق سلطان غیاث الدین تغلق کے مقبرہ دہلی میں مدفون ہے[۴]، غرضیکہ انتقال نعش کی مثالیں
تاریخ اسلامی میں بیشمار ملیں گی، جن کو یہاں بخوف طوالت مضمون اور مطالب کے فوت ہونے کے خیال سے نظرانداز
کیا جاتا ہے، بہرحال مورخ کا فرض ہے کہ تمام واقعات کو سامنے رکھے،

ان حالات میں یہی بہتر ہے کہ جہاں ضلع جہلم میں قریہ دھمک کے باشندوں نے سلطان شہید معز الدین محمد
ابن سام کی قبر کا سراغ لگایا ہے، ان کو وہ صحیح مقام شہادت سلطان تصور کرکے وہاں ایک کتبہ سنگ مرمر کا حسب
ذیل کے اشعار کندہ کرواکر دیوار پر لگا دینا چاہیے،

شہادتِ ملک بحر و بر معز الدین، — کز ابتداے جہان شہ چو او نیامد یک
سوم ز غرۂ شعبان بسال ششصد و دو — فتاد در رہ غزنین بمنزل دمیک[۵]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۲) کو جس خطیرہ (کٹہرے) میں دفن کیا گیا تھا، وہ اب معلوم و متشخص نہیں رہا، ورنہ وہ ایک نکتہ رس
عالمِ تاریخ سیاح کی متجسس نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکتا تھا — لیکن دوسری طرف دلی کے آثار قدیمہ میں بھی کوئی
مقبرہ سلطان شہاب الدین کی طرف اس زمانہ میں منسوب نہیں کہ اسکی لاش کو غزنین سے دلی میں منتقل کرکے لانے
کے گمان کی تصدیق کلیتہً کیجا سکے، اس لئے تاوقتیکہ کچھ مزید تاریخی شہادتیں بدست نہ ہوں، اس موضوع پر کسی
فیصلہ کن رائے تک پہنچنا آسان نہیں ہے،
"س"

[۱] اورنٹیل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۳۵ء ص ۱۴۶ - ۱۵۹ [۲] فیروز شاہی برنی ص ۵۲۵،
[۳] مبارک شاہی (کلکتہ) ص ۱۱۸، [۴] آثار الصنادید (ایضاً) ص ۲۹ و ۳۰ [۵] طبقات ناصری ص ۱۲۴

اگر کچھ مزید وضاحت کا خیال ہو تو اس کے اوپر کوئی آیت قرآنی متعلقہ شہداء، اور چند الفاظ کا اضافہ ہو تو بہتر ہے، جن سے یہ واضح ہو کہ یہ سلطان شہید کا مقام شہادت ہے، اور اس کتبہ کے اختتام پر اس انکشاف اور اس کی تحقیق و نتائج کا خلاصہ بھی درج کر دیا جائے، تو بہتر ہوتا کہ اس سے کم سے کم آیندہ نسلیں غلطی کا شکار نہ ہوں،

ادارۂ معارف نے نہایت عمدگی سے اگرچہ تمام ضروری اقتباسات از کتب قیمہ دیدیئے ہیں، مگر ان پر ابھی ایک اور کا اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے، جو از کتاب دول الاسلام از حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۶ھ ذیل میں دیا جاتا ہے[۱]

سنة اثنتين وست مائة (فيها)	(۶۰۲ھ) اسی سال غزنین و ہندوستان
مات سلطان غزنه والهند	کے سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری
شهاب الدين محمد بن سام الغوری قتلته	نے وفات پائی، اسماعیلیوں نے اس کو
الاسماعيلية بخيمه قتلوا ولا بعض الحرس	اس کے خیمہ میں شہید کر دیا، پہلے ان لوگوں
فوقع الصياح وثار اليه الحرس	نے بعض پاسبانوں کو قتل کیا، اس پر
من سرادقهم وادخلوها فهجمت	شور مچا، تو اس کے سراپردہ کے نگہبان
الاسماعيلية على السلطان	ان لوگوں کی طرف چلے گئے، اور اس کے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۳) عام طور پر مورخین نے جہاں بھی سلطان معز الدین محمد بن سام کا ذکر کیا ہے، وہاں اس کو سلطان شہید سے خطاب کیا ہے، یعنی یہ وہ سلطان شہید ہے جس نے صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت ہند کی بنیاد رکھی، اور ایک دوسرا سلطان بھی اسی طرح عام طور پر سلطان شہید کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور وہ سلطان ٹیپو ہے، غرضیکہ ہماری تاریخ ہند شہادت سے قائم ہو کر شہادت ہی پر ختم ہوتی ہے،

[۱] دول الاسلام (مطبوعہ حیدرآباد) جلد ۲ ص ۸۱

فقتلوه وبخوا فلما عاد اصحابه	خیمہ کو خالی چھوڑ دیا، تو اسماعیلی سلطان پر
وجدوه قتيلاً على مصلاه و	جھپٹ پڑے، اور اوس کو قتل کر دیا، اور
هو ساجد فوضعوه فی محفته	کامیاب ہو گئے، جب سلطان کے ساتھی لوٹ کر
وساروا وكتموا موته وكانت	آئے تو اس کو اس کی جانماز پر حالت سجدہ
الخزانة على الفی جمل وكان ملكا	میں مقتول پایا، اس کے بعد اوس کو پالکی
حازما شجاعا مجاهدا احسن	میں رکھا، اور روانہ ہو گئے، اور اس کی
السيرة كثير الفتوحات كانت	موت کو پوشیدہ رکھا، اور خزانہ دو ہزار
دولته اكثر من اربعين[۱] سنة	اونٹوں پر لدا ہوا تھا، یہ دور اندیش بہادر
رحمة الله عليه	مجاہد، نیک سیرت اور بہت سے فتوحات
	کرنے والا حکمران تھا، اس کی حکومت چالیس
	برس سے زیادہ رہی، اس پر اللہ تعالیٰ

[illegible]

چنانچہ ذیل میں ان تمام حوالہ جات کی رو سے جو پچھلے معارف میں بھی آچکے ہیں، سلطان شہید کے قاتل کے ناموں کو درج کیا جاتا ہے :-

۱- طبقات ناصری،	فدائی ملاحدہ،
۲- جہان کشائے جوینی،	فدائیان،
۳- گزیدہ مستوفی،	فدائیان ہند،
۴- ابن اثیر،	کفار الکوکریہ،
۵- ذہبی،	اسماعیلیہ،

[۱] اگر احتیاط سے تلاش کیا جائے گا، تو مدت سلطنت سلطان شہید اسی کے قریب ملے گی [۲] اردو ترجمہ کی ذمہ داری مقالہ نگار پر نہیں ہے،

۶- ابن خلدون، اسماعیلیہ،

۷- مبارک شاہی، فدائی ملاحدہ،

۸- بدایونی، فدائی کھوکھر،

ان متذکرہ بیانات سے بالکل واضح ہوجاتا ہے، کہ کوئی ملاحدہ ہی مین کا قاتل تھا، جس نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کردیا، جس وجہ سے اسے فدائی لکھا ہے، عام طور پر مسلمان اس شخص کو جو اسلام کے خلاف یا صحیح اعتقادات کے برعکس عمل کرے تو اسے ملحد یا کافر کہکر ٹال دیتے ہین، یعنی عرف عام میں اس شخص کو ملحد کہتے ہین، خواہ کسی مذہب یا گروہ سے تعلق رکھتا ہو، جو بیان پر مورخین نے کیا، اور بعض نے مزید اطلاعات کی بنا پر کچھ وضاحت بھی کرنے کی کوشش کی، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو شخص ایسے مسلمان بادشاہ کے قتل کا ارتکاب کرے، اس کے لئے مورخ کے پاس اس کے سوا اور کوئی موزون لفظ بھی نہین ہے،

جیسا کہ پچھلے معارف مین درج ہوچکا ہے، سلطان شہید کھوکھران پنجاب اور قرامطۂ ملتان سے برسر جنگ رہا، اوران کو بارہا مغلوب کیا، اور یہی لوگ اس کے خون کے پیاسے ہوسکتے تھے، کھوکھرون کے مذہبی رجحانات پر تو کوئی روشنی نہین پڑتی، ہان البتہ قرامطہ کا ضرور علم ہے، جو ملتان کے گرد و نواح مین آباد تھے، اور آج بھی ان کی باقیات وہان ہین، جن کو بعض مصنفین نے باطنیہ، اسماعیلیہ، تعلیمیہ اور ملاحدہ کے مترادف خیال کیا ہے، خواہ جزوی اعتبار سے ان مین بے شمار فرق ہین[۵۱]، اس لئے ان لوگون کے لئے لفظ ملاحدہ یا اسماعیلیہ یا قرامطہ کہدینا کوئی تعجب کی بات نہین ہے، جہان طبقات ناصری مین مسجد قوۃ الاسلام دہلی کی بے حرمتی کا ذکر آیا ہے[۵۳]، وہان ان لوگون کے لئے الفاظ "ملاحدہ اور قرامطہ" استعمال ہوئے ہین، جو میرے خیال مین محض خاص و عام کی نسبت رکھتے ہین،

[۵۱] براؤن لٹریری ہسٹری آف پرشیا ص ۱۹۶ ج ۲، ضحی الاسلام از محمد امین مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۳-۵ ج ۳، [۵۳] متن طبقات ناصری صفحہ ۱۹۹،

آخیر مین یہ ایک مزید امر قابل وضاحت معلوم ہوتا ہے، کہ کھوکھر اور گکھر دو مختلف گروہ ہین[۵۱]، بعضون نے ان کو ایک ہی شمار کیا ہے[۵۲]، اس نتیجہ پر پہونچنا کہ وہ قاتل کھوکھرون مین سے تھا یا قرامطہ مین سے تھا، اس کے قطعی فیصلہ کرنے کے لئے مزید حالات کا انتظار کرنا چاہئے،

(۲)

از جناب محمد اسلم خان صاحب بگرالہ ضلع جہلم

آپ کے نامہ شمامہ کو پڑھکر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی ہے، تمام مطلوبہ سوالات کے جوابات بجز قوم گکھر تسلی بخش پائے، جس سے مین آپ کا شکریہ ادا کرتا ہون، ایسے علمائے کرام کی اس زمانہ مین کمی نہین ہے، جو کسی لاینحل مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل نہ کرسکین، لیکن ایسے بزرگ اس زمانہ مین عنقا کی حیثیت رکھتے ہین، جو سائل کی ہر پہلو سے امداد کرتے ہون، جس محنت شاقہ اور عرق ریزی سے آپ نے مستند حوالجات سے جواب مرتب کیا ہے، جناب کی اس بندہ نوازی و علم پروری کا تہ دل سے ممنون ہون،

مقتل سلطان شہاب الدین نور اللہ مرقدہٗ واقعی یہی موضع دھمک جو سوہاوہ اسٹیشن کے متصل بجانب شمال بفاصلہ تین میل تحصیل و ضلع جہلم مین ہے، تاریخ جہلم ۱۹۳۸ء مین لکھی گئی ہے، اس مین تمام دیہات ضلع کی فہرست بھی شامل ہے، لیکن بجز اس موضع مذکور کے اس نام کا کوئی اور قریہ نہیں، اس وقت ضلع مین مندرجۂ ذیل تحصیلین تھین، جہلم، چکوال، پنڈدادنخان، تلہ گنگ، اب آخری تحصیل کو جہلم سے الگ کرکے اٹک سے ملحق کردیا گیا ہے، اور بھی دریائے جہلم کے کنارے جو گاؤن آباد ہین، ایسا کوئی گاؤن نہین ملا،

[۵۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تحت گکھر، انڈین انٹی کوری ج ۲۶ ص ۱۰ و ۳ و ص ۲۴۲،

[۵۲] معارف:- گکھرون کے متعلق مستفسر اول، جناب محمد اسلم خان صاحب کا ایک مزید تشریحی استفسار موصول ہوا ہے، امید ہے کہ وہ معارف کے کسی آیندہ نمبر مین پیش ہو، اور اس پر مزید گفتگو کی جاسکے،

"س"

موجودہ وقت میں دریائے جہلم دھمک سے بفاصلہ سات کوس گذرتا ہے، اگر آج سے قبل ساڑھے سات سو برس ایک اجنبی مورخ اس کو کنارہ دریا لکھتا ہے، تو کوئی تعجب کا مقام نہیں، جب کہ کوئی اور مشہور قابل تخصیص جگہ نہ ہو، تو اسے دھمک کنارہ دریا لکھدیا، تو کوئی تعجب نہیں، نیز دھمک کے بالکل قریب سے ایک بڑا برنالہ گذرتا ہے، جو دریائے جہلم کا معاون ہے، بہرصورت سلطان موصوف کو یہاں ہی شہید کیا گیا، دھمک کے بالکل قریب ایک رستہ غورن کے بھڑکے نام سے اب تک مشہور ہے بھڑ پنجابی میں پشتہ یا ٹیلہ کو کہتے ہیں مقام تعجب ہے کہ اب تک اس کا نام غوردن کا بھڑ چلا آتا ہے، حالانکہ مقامی لوگ غوردن سے ناواقف ہیں،

کیا منصور حلاج کو پھانسی دی گئی؟

جناب گوری شنکر نیچر جبیندر گروکل
پنجکولہ، انبالہ، پنجاب

قابل تعظیم جناب اڈیٹر صاحب!

براہ کرم بواپسی ڈاک مندرجہ ذیل سوال کا جواب رقم فرمائیں،:-

"کیا منصور حلاج کے پھانسی پر چڑھنے کے وقت اس کی والدہ محترمہ زندہ تھیں؟"

معارف:- مکرمی، تسلیم

خط ملا شکریہ، پہلے تمہیں لطیفہ کے طور پر یہ سن لیجئے کہ حسین بن منصور حلاج کو پھانسی سرے سے دی ہی نہیں گئی، بلکہ ہمارے شعرا نے اسکو دار پر چڑھایا، اور دار ورسن کو اس سے جلوہ پہنچایا، ع

من از سر نو جلوہ دہم دار ورسن را

ورنہ مستند تاریخی روایت کے بموجب حسین بن منصور حلاج کو سزا دینے کیلئے پہلے کوڑے لگائے گئے پھر گردن ماری گئی، گردن مارنے سے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں بھی وحشیانہ طور پر کاٹے گئے تھے، (تاریخ خطیب جلد ۸ ص ۱۲۸) ایسی کوئی روایت تاریخوں میں نظر سے نہیں گذری کہ اس کو قتل کئے جانے کے وقت اسکی ماں زندہ تھی، البتہ اس وقت اس کے ماننے والوں اور عام تماشہ دیکھنے والوں کی ایک بڑی خلقت جمع ہو گئی تھی، "س"

وفیات

حضرت مولانا تھانوی کے سانحہ ارتحال پر تاثرات

"حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال پر نظم ونثر میں جو مرثیے لکھے گئے ہیں، اور خطوط میں جو تاثرات ظاہر کئے گئے ہیں، اون سب کے درج کرنے کے لئے صفحات میں گنجائش نہیں تاہم یادگار کے طور پر عربی کے دو قصیدے شائع ہو رہے ہیں، ایک حسب ذیل ہے، جو جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے قلبی تاثرات کا نتیجہ ہے، اور دوسرا جو مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کا ہے وہ اگلے پرچہ میں آئے گا،

مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے دو مادے نقل فرمائے ہیں، یاد کے لئے ان کو علٰحدہ لکھدیا جاتا ہے:-

اشرف علی نوّر اللہ مرقدہٗ
۱۳۶۲ھ

آیتِ پاک:- لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ (یٰسین)
۱۳۶۲ھ

مرثیہ عربیہ

قلت ارثی سیدی سندی وسیلۃ یومی وغدی حکیم الامۃ المحمدیۃ مجدد الملۃ الاسلامیۃ قطب الارشاد غوث العباد مولانا الشیخ محمد اشرف علی التھانوی نوّر اللہ مرقدہ وبرّد مضجعہ آمین

بکت عینی وزاد بی العویل وھل بد موعھا یشفی الغلیل؟

۱۱ ۹/۴۳

لقد ضاق الفضاء بنا ومالت — جبال الارض او کادت تزول

واوحشت البلاد بنا وامست — یبابا ما یُری فیها خلیل

واظلمت الدیار وَما علیها — فهل لضیاءها یومًا سبیل؟

تصدعت القلوب بما دهاها — وجنّ الخطب وانذهلت عقول

وقُبّت الامور عند اذ اودی — حکیم الامة العلم الجلیل

مجدد ملّة الاسلام حقًّا — فنعم دلیلنا ذاک الدلیل

مفسر عصره من غیر خُلف — فقیه الوقت لیس له عدیل

خبیر بالحدیث وکل علم — وبالاسرار ینطق اذ یقول

ولیُّ زمانه عدلٌ تقیٌ — امام الدهر لیس له مثیل

تضلّع بالعلوم فکان فردًا — الیه لکل مکرمة تؤول

رؤف راحمٌ بَرٌّ کریم — وللعناق الهوی سیف صقیل

لقد قطع الحبائل عن انام — بواد الهالکین لهم نزول

یحض بنا علی طلب المعالی — ویهدینا لما قال الرسول

له فینا صحائف معلمات — کثیر ثنائها منا قلیل

اقرّ بفضله من قدراٰه — ولم یکفر[1] به الا جهول

یعادی الله من عادیٰ ولیّا — له وعدوّه ابدًا ذلیل

وکاد القلب انّ[2] ینشق لما — رایتک فی التراب لک المقیل

یبکیک السماء ونیّراها — وهذی الارض هامدة تمیل

[1] من الکفران ضد الشکر ۱۲ [2] جاز دخول ان فی خبر کاد تشبیها لها بعسی ۱۲

یبکیک البحار وَما حوتها — وتبکیک الحزونة والسهول

یبکّیک البیوت وساکنوها — وتبکیک المعالم والطلول

یبکیک العلوم ودارسوها — وتبکیک الضوابط والاصول

یبکیک المنابر موحشات — وتبکیک المواعظ والقبول

یبکیک المدارس مظلمات — علیها الیوم دائلة[1] تدول

یبکیک الطریق[2] وسالکوها — ویبکیک التصوف والوصول

یبکیک التهجد باللیالی — ومجلس یومک الحسن الجمیل

یبکیک الحقائق والمعانی — وتبکیک الصحائف والنقول

یبکیک الاقاصی والادانی — ویبکیک الاجانب والقبیل

ویبکیک الزمان لفقد خیر[3] — بفقدک ایها البرّ الوصول

فلا ننساک اشرف! ما بقینا — وانک بین اعیننا تجول

تذکرنا ک آثار کرام — ترکت لنا وایام حجول

اذا نسی الانام حدیث قوم — فذکرک فی مجالسنا یطول

الا یا عینُ جودی واستهلّی — بدمع بعد ذلک لا یسیل

فانی لن اصاب بمثل هذا — وان رحیله[4] لهو الرحیل

فدته نفوسنا لو کان یبقی — لکان لنا به ظلّ ظلیل

لیهنک سیّدی فی کل یوم — سلام[5] الله والاجر الجزیل

[1] الانقلاب ۱۲ [2] طریق القوم ۱۲ [3] التنکیر للتعظیم ۱۲ [4] ان فراقه لهو الفراق ۱۲

[5] فیه اشارة الی تاریخ وفاته من قوله تعالی لهم فیها فاکهة ولهم ما یدعون سلام قولا من رب رحیم ۱۲

وصلت الی مقام شہود صدق یحفّ به نعیم لا یزول

فانت لدی الالہ بخیر عیش وانت لخیلنا سلف رحیل

بنفسی روضة فی ارض قدس بہا جدث له شرف نبیل

زیارته الحیاة لکل قلب وتربته بہا یُشفی العلیل

اذا فقد الریاضُ عبیرَ وردٍ فماءُ الورد عن ذاک البدیل

وان افلت ذکاءُ فان نجما ظلامَ اللیل عن افق یزیل

فصبرا یا آلِ اشرفَ ان فیکم نجوما یہتدی بہم الضلول

وما مات الذی احیی قلوبا بنورٍ ما له ابدًا افول

علیه من المہیمن کل حین شآبیب الکرامة والطلول

جریح الفواد اضعف العباد ظفر احمد العثمانی التھانوی کان اللہ له غرہ شعبان سنة ۱۳۶۲ھ

تصحیح گذشتہ پرچہ مین موت العالم کے تحت ص۱۴۴ سطر ۵ میں مولانا شبیر علی صاحب کے یاد فرمانیکا ذکر ہے اسکے بعد یہ اضافہ کیا جائے کہ "اسی کیساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ظفر احمد صاحب کو بھی یاد فرمایا مگر وہ بھی نہ تھے مغرب کی نماز کو چلے گئے تھے"

ص۱۴۵ سطر ۹ مین جس بشارت نامہ کا ذکر ہے وہ وفات سے دو دن پہلے کا واقعہ ہے مولانا ظفر احمد صاحب رقام فرماتے ہین "وصال سے دو دن پہلے ظہر کے بعد جب حضرت مسلسل باتیں کر رہے تھے اور طبیعت روبافاقہ معلوم ہوتی تھی دس پندرہ آدمی مجلس مین حاضر تھے فرمایا قلمدان لاؤ، قلمدان پیش کیا گیا اس مین سے ایک پرزہ نکال کر کانپتے ہوے ہاتھ سے تحریر فرمایا ھنیئا لکم نموذج آیة وجعلناھا وابنھا آیة للعالمین پھر مجھے بلا کر یہ تحریر عطا فرمائی اور فرمایا مجھ سے صاف نہین لکھی گئی، اگر نہ پڑھ سکو پھر لکھ دون، عرض کیا حضرت کو اسکے لکھنے مین بہت کلفت ہوئی دوبارہ تکلیف نہ دونگا، صرف لفظ اول نہین پڑھا گیا اسکو زبانی ارشاد فرمایا جائے فرمایا ھنیئا لکم مبارکباد، اس پر مین نے خوشی ظاہر کی تو ہنسکر فرمایا، ہان خوشی کی بات ہے" گذشتہ معارف مین اس واقعہ کے ذکر کے بعد جو باقی عبارت ہے اس کا تعلق مولانا ظفر احمد صاحب سے نہین دوسرے لوگون سے ہے عبارت مین میرے سہو قلم سے ایہام سا ہوگیا ہے جس پر ندامت ہے،

؎ اشارة الی رؤیا بعض الصالحین،